عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ
غزالی

ربیع الثانی و جماد الاولیٰ ۱۴۳۶ھ / فروری، مارچ ۲۰۱۵ء

Reg No. P476

جلد: سیزدھم

شمارہ: 6,7

فہرست

عنوان	صاحبِ مضمون	صفحہ نمبر
۱۔ حضور ﷺ کی جدوجہد کے نتائج	حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم	۱
۲۔ صراطِ مستقیم	پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب	۸
۳۔ حضرت پیر عبدالحی صاحب کو صدمہ	حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم	۳۳
۴۔ مکتوبِ چترال	ڈاکٹر محمد اقبال سیال، پروفیسر فضل الرحمان صاحب	۳۴
۵۔ ملفوظاتِ شیخ (قسط۔۶۶)	ظہور الٰہی فاروقی صاحب	۳۷
۶۔ مفتی محمد فرید صاحب قدس سرہٗ کی یاد میں	مولانا ڈاکٹر عبیداللہ صاحب	۴۴
۷۔ نمازیں (قسط۔۴)	قاضی فضل واحد صاحب	۴۶
۸۔ تبصرۂ کتب و رسائل	ڈاکٹر عبیداللہ صاحب، حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب	۵۲
۹۔ ایک خط	محمد طاہر شاہ	۵۵
۱۰۔ کرکٹ ایک نشہ۔۔۔ایک طوفان	مولانا محمد طفیل صاحب	۵۸
۱۱۔ نعت	۱۔ پروفیسر ارشاد احمد شاکر صاحب ۲۔ نجمی	۶۶

فی شمارہ : 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک : 200/- روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل : physiologist72@hotmail.com
saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

(موبائل فون سے ترسیل زر کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی 'ایزی پیسہ' کی دوکان سے دئے گئے فون نمبر پر پیسے بھیج دیں۔ یہ پیسے یہاں اسی موبائل کی دوکان سے رسالہ کا منتظم وصول کر لے گا۔ اس پر کچھ ٹیکس بھی ہے جو مبلغ دو سو روپے کے علاوہ ہو گا)

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

حضور ﷺ کی جدوجہد کے نتائج

(بیان حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم بسلسلہ سیرت النبی جنوری ۲۰۱۴ء)

خطبۂ ماثورہ۔امابعد

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ. فَاِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ.

(سورۃ توبہ: ۱۲۹۔۱۲۸)

آپ ﷺ کی انفرادی اور اجتماعی دعوت کے بعد آج کا عنوان ہے ''آپ ﷺ کی عسکری دعوت'' اور اس کے بعد آخری عنوان ''آپ ﷺ کی ساری جدوجہد کے نتائج''۔

سیرت کا ایک پہلو آپ ﷺ کی عسکری دعوت ہے۔اسلام اور سارے پیغمبروں کے آسمانی مذاہب بنیادی طور سے امن وامان اور افہام وتفہیم کے داعی ہیں۔کُشت وخون اور جبر ودہشت ان کا مقصد قطعاً نہیں، لیکن ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ حق کو روکنے کے لئے باطل اسلحہ لے کر میدان میں آتا رہا ہے۔کُفر وشرک، ظلم وعدوان، جھوٹ فریب اگر اسلحہ لے کر ایمان وانصاف، سچ، ہمدردی، خدمت و خیرخواہی کا راستہ روکنے کے لئے میدان میں کود پڑے تو کیا حق والوں کو میدان خالی چھوڑ کر پیچھے ہٹ جانا چاہئے؟ ہرگز نہیں۔بلکہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہئے۔ایسے ہی حکومتیں اگر اپنی طاقت کے ذریعے لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے نہ دیں اور ان کو جہنم کا اندھن بنا رہے ہوں تو کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے ظالم حکمرانوں سے ان معصوم انسانوں کو چھڑایا جائے تاکہ وہ اپنا فیصلہ آزادانہ طور سے خود کر سکیں۔یہی دو باتیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اسلحہ اُٹھانے پر مجبور کرتی ہیں۔چنانچہ بدر، اُحد، خندق کے غزوات میں کفارِ مکہ تین سو میل تک کا فاصلہ طے کر کے لڑنے کے لئے آئے۔غزوۂ تبوک رومیوں کا حملہ روکنے کی خاطر ہوا۔یہاں تک کہ ان سب جنگوں سے مجبور ہو کر آپ ﷺ نے کفار کے بڑے مرکز مکہ مکرمہ پر فوج کشی کی اور نبوی فراست کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے خفیہ طریقے سے مکہ مکرمہ

پہنچ کر گھیرا ڈال دیا کہ کفار کو مجبور ہو کر ہتھیار ڈالنے پڑے اور کشت و خون کی نوبت نہ آئی۔ جب مسلمانوں کو اتنی قوت حاصل ہو جائے کہ اہلِ کفر پر غلبہ پا سکتے ہوں تو ان کے ذمے یہ بات لازمی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ کفار کی حکومتوں کو عسکری دعوت دیں، جس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے لشکر کو لے جا کر اہلِ کفر سے کہیں کہ اپنی فسق و فجور، ظلم و عدوان کی زندگی کو ترک کرو اور اس سے توبہ تائب ہو جاؤ اور اسلام قبول کر لو۔ اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو تمہاری دنیا کی ساری چیزیں تمہیں مبارک ہوں، تم ہمارے بھائی ہو، ہم ہر لحاظ سے تمہاری حفاظت اور خدمت کریں گے اور اپنے مسلمانوں سے بڑھ کر تمہیں اعزاز دیں گے۔ اگر اس بات کو نہیں مانتے تو پھر ہم تمہاری حکومت کو معزول کریں گے کیونکہ یہ جبری نظام معصوم انسانوں کے اسلام میں داخلے کا دروازہ بند کئے ہوئے ہے اور انھیں جہنم کے گڑھے کی طرف دھکیل رہا ہے۔ ہم اس بات کو جاننے اور سمجھنے کے باوجود انسانوں کا اس طرح آگ کے گڑھے میں دھکیلا جانا نہیں دیکھ سکتے۔ تمہاری اوپر ایک معمولی ٹیکس (جزیہ) ہوگا جس کے بدلے میں تمہاری حفاظت کرنا اور تمہیں زندگی کے سارے شعبوں میں بھرپور کردار ادا کر کے کمائی اور سہولت کے سارے مواقع فراہم کرنا ہماری ذمہ داری ہوگی۔ اور اگر آپ لڑنے مارنے کے لئے ہی تلے ہوئے ہیں تو پھر باطل کی اس گیدڑ بھبکی سے حق کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ اگر باطل اپنی غلط ترتیب کے لئے لڑ سکتا ہے تو حق حقانیت کے لئے کیوں نہ سینہ سپر ہو! اس ترتیب پر بعض لوگوں نے اسلام قبول کیا، بعض نے جزیہ دینا مانا اور جو لڑے تو حق کا ہی بول بالا ہوا۔ باطل کو مغلوب ہونا پڑا۔

اب آخری عنوان ''آپ ﷺ کی جدوجہد کے نتائج'' کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ کوئی بات کتنی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو، اس پر جدوجہد نہ کی جائے اور جدوجہد کر کے اس کو وجود میں نہ لایا جائے اور وجود میں لانے کے بعد اس کے نتائج نہ نکالے جائیں تو اس کا فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی بعثت، آپ ﷺ کی نبوت، پھر آپ ﷺ کی تعلیمات اور اس کے بعد آپ ﷺ کی زبردست

جدوجہد اور اس کے نتیجے میں ظلم وعدوان، جھوٹ، فریب، دھوکہ، قتل وغارت اور انتہائی گراوٹ والا معاشرہ کس حال کو پہنچا، سب کے سامنے ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا بنیادی مقصد تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان اور معرفت دلا کر، توحید میں کامل کر کے، اس کے اخلاق سنوار کر، اس کو کامل انسان بنانا تاکہ یہ جنت کی لازوال نعمتوں کو حاصل کرے، لیکن اس محنت کے نتائج میں وہ زبردست محکم نظام بھی وجود میں آتا ہے جس میں امن وامان اور معاشی آسودگی اس طرح آتی ہے کہ سب لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ عام طور پر دنیاوی لوگ کسی جدوجہد اور نظام کی کامیابی کو تین رُخوں پر دیکھا کرتے ہیں، پہلی بات یہ کہ اس کے نتیجے میں امن وامان کا کیا حال ہوا، دوسرے یہ کہ معاشی آسودگی کتنی ہوئی، تیسرے یہ کہ قانون کی عملداری کتنی ہوئی۔

سب سے پہلی بات امن وامان ہے۔ عرب کا وہ ماحول تھا کہ جس میں ڈاکے ڈکیتیاں، چوریاں چکاریاں اور قتل وغارت روز کا معمول تھا۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، فرمایا: ''ایک عورت ہوگی جو صنعائے یمن سے چلے گی، جوان ہوگی، زیورات سے لدی ہوئی ہوگی، خوبصورت ہوگی اور (عرب کا کوئی دوسرا سِرا بتایا کہ وہاں تک) اکیلی جائے گی اور اس کو راستے میں کسی بھی جگہ پر کوئی آدمی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'' یعنی اتنا امن وامان آجائے گا۔ ایک صحابی ہیں عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حاتم طائی کے بیٹے، وہ کہتے ہیں کہ میں سامنے بیٹھا اس بات کو سن رہا تھا، مجھے تو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ اس عورت کے گزرنے کا راستہ جو آپ بتا رہے تھے وہ ہمارے قبیلے بنی طے پر سے گزر رہا تھا اور ہمارا قبیلہ یعنی بنی طے تو ڈاکوؤں کا قبیلہ تھا، اس سے ایک عورت زیورات سے لدی ہوئی صحیح سالم گزر جائے، یہ تو بڑی عجیب بات تھی جو آپ فرما رہے تھے، لیکن چونکہ ہمارا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان تھا تو ہم نے آمنا و صدقنا کہا، کہ وہی ہو کر رہے گا۔ عدیؓ کہتے کہ پھر ہم نے دیکھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کے دور میں واقعی اس طرح کی ایک عورت آئی، اس نے بیت

اللہ شریف کا طواف کیا اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچی اور راستے میں اس کو کسی نے گزند نہیں پہنچائی۔ اتنا امن وامان آچکا تھا۔ قبیلہ بنو طے جس سے مجھے خطرہ تھا، جو کہ ڈاکوؤں کا قبیلہ تھا، وہ آپ ﷺ کی تعلیمات اور جدوجہد کے نتیجے میں محافظوں کا قبیلہ بن گیا تھا۔ پھر وہ اتنے تربیت یافتہ انسان بن گئے تھے کہ لوگوں پر ڈاکے ڈالنے کی بجائے لوگوں کی حفاظت کرنے والے اور خدمت کرنے والے بن گئے تھے۔ تو نتیجتاً ایسا امن وامان پیدا ہوا۔

دوسری بات ہوتی ہے معاشی آسودگی۔ سن چھ ہجری میں غزوۂ خیبر ہوا ہے اور غزوۂ خیبر کے بعد صحابہ کرامؓ کی فاقہ کشی، تنگدستی، مشکلات اور معاشی پریشانیاں مکمل ختم ہوگئی تھیں۔ آپ ﷺ کے گھر میں پھر بھی فاقہ ہوتا تھا پر یہ فاقہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ دنیائے اسلام کے معاشی حالات تنگدستی کے تھے بلکہ اس وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ اپنے گھر پر فاقہ رکھنا چاہتے تھے تاکہ آنے والی چیز فوراً تقسیم ہو جائے اور گھر میں کچھ نہ رہے۔ تاکہ نبی کا گھر ایسی مثال پیش کرے کہ گویا اس نے اپنی ساری چاہتوں کو آخرت میں ہی پورا کرنے کی نیت کی ہوئی ہے۔ اور دنیا کی نعمتوں کو فوراً تقسیم کر دیا جائے تاکہ لوگوں تک پہنچے خواہ اپنا گھر خالی ہی کیوں نہ ہو جائے۔ تو آپ ﷺ کے گھر پر اگر فاقہ رہا ہے یا آپ ﷺ کے خاص ساتھیوں نے فاقے میں وقت گزارا ہے تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ حالات فاقے کے تھے بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اپنے پاس کچھ رکھنا نہیں چاہتے تھے، سب کچھ تقسیم کر لیتے تھے۔ اس کو فقرِ اختیاری کہتے ہیں۔ جو فقر آدمی پر آگیا ہو اور وہ اس سے جان نہ چھڑا سکتا ہو وہ 'فقرِ اضطراری' ہے، جبکہ 'فقرِ اختیاری' سب کچھ ہوتے ہوئے اس کو تقسیم کر کے اپنے آپ کو تنگدست اور فقر کی حالت میں رکھنا ہے۔ فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ کا فقر اضطراری نہیں تھا بلکہ اختیاری تھا۔

چھ ہجری کے بعد پھر فاقوں کا خاتمہ ہوا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں تو اتنی معاشی آسودگی آئی کہ صبح کے وقت آدمی ڈھنڈورا پیٹ رہا ہوتا تھا اور اعلان کر رہا ہوتا تھا کہ اے لوگو! جلدی آؤ، بیت المال سے گندم نکالو ورنہ خراب ہو جائے گی۔ پھر عصر کے وقت دوسرا آدمی

اعلان کر رہا ہوتا کہ اے لوگو! جلدی آؤ اور بیت المال سے شہد نکالو ورنہ خراب ہو جائے گا۔ بالآخر حضرت عثمانؓ نے اپنے دور میں اس بات کا اعلان کروا دیا کہ زکوٰۃ کا جمع کرنا، رکھنا، پھر تقسیم کرنا کافی مشکل کام ہے اوراس کے لئے وقت بھی نہیں ہوتا اور بیت المال میں جگہ بھی نہیں ہوتی اس لئے چونکہ زکوٰۃ بھی نماز کی طرح عبادت ہے اور ہر آدمی کے ذمے ہے کہ اپنی زکوٰۃ خود نکالے اور مستحق کو ڈھونڈے اوراس تک پہنچائے، لہٰذا یہ ذمہ داری ہر کوئی اپنی خود پوری کرے۔ اتنی معاشی آسودگی آگئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں تو دنیائے اسلام میں آدمی زکوٰۃ دینے کے لئے پھرتا تھا پر اسے مستحقِ زکوٰۃ نہیں ملتا تھا، اتنی معاشی آسودگی آگئی تھی۔ آپ ﷺ کی جدوجہد اور تعلیمات کے نتائج میں ایسی معاشی آسودگی آئی جو ایک ہزار سال تک مسلسل چلی۔ مسلمان ساری دنیا میں غالب رہے ہیں اور سُپر پاور رہے ہیں۔

تیسری بات ہوتی ہے 'قانون کی عمل داری'۔ آئین بھی بنا دیا گیا اور قانون بھی بنا دیا گیا لیکن اس کی کوئی پابندی نہیں کرتا تو یہ چیز ظلم کو وجود میں لاتی ہے اوراس سے معاشرے میں ناہمواری اور نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہ لوگ خود ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں اور خود ایک دوسرے کے خلاف لڑتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو زیر کرنا دشمن کے لئے بہت آسان ہوتا ہے۔ جب ۱۹۷۱ء کی جنگ ہوئی تو ۹۳۰۰۰ فوج کے مقابلے میں کون لڑ رہا تھا؟ مُکتی باہنی لڑ رہی تھی، عوام لڑ رہے تھے! اور عوام نے اتنے وسائل والی اور اتنی ٹرینڈ فوج کو بے بس کر دیا تھا۔ وجہ کیا تھی کہ پیچھے ایوب خان کی ڈکٹیٹر شپ کا اور یحییٰ خان کی بیوقوفانہ اور احمقانہ حکومت کا ایک پورا ظلم کا دور گزرا ہوا تھا جس نے معاشرے میں ناہمواری پیدا کی ہوئی تھی اور ایک دوسرے کے خلاف کیا ہوا تھا، لہٰذا مغربی پاکستان والا مشرقی پاکستان والے کا گلا کاٹ رہا تھا اور مشرقی پاکستان والا مغربی پاکستان والے کی ہڈیاں توڑ رہا تھا۔ جب یہ چپقلش چلی تو دشمن نے پیچھے سے آکر دونوں کو پیروں کے نیچے کر کے اپنا جھنڈا لہرا دیا۔ ہندو بہت ہوشیار اور زیرک سیاستدان ہے۔ اس کو اندازہ تھا کہ باوجود یکہ ملک تو میں

نے لے لیا ہے لیکن عوام کی مرضی کے خلاف میں قبضہ باقی نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا اسے ماتحت کیا جائے، اپنا حلیف بھی بنایا جائے، معاشی وسائل کو ہاتھ میں لیا جائے لیکن چھوڑا جائے ان کو آزاد کیونکہ اس طرح ان کو قابو نہیں رکھ سکیں گے۔ آئین اور قانون تو ہو لیکن کوئی اس کی پابندی نہ کر رہا ہو تو اس کے نتیجے میں ظلم وجود میں آتا ہے اور لوگ طبقات میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کے خلاف ہوتے ہیں، پھر ایک دوسرے کے خلاف لڑتے ہیں اور یہ ناکام ریاستوں کی علامت ہوتی ہے، جہاں پر آئین اور قانون کی پابندی نہ کی جائے۔

آپ ﷺ کی جدوجہد کے نتیجے میں قانون کی عملداری وجود میں آئی۔ آپ ﷺ کے سامنے فاطمہ مخزومیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چوری ہوئی اور آپ ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کی سزا نافذ کی۔ لوگوں نے سفارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس فاطمہ مخزومیہؓ کی جگہ فاطمہ بنتِ محمد (ﷺ) ہوتی، میری بیٹی اگر ہوتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا کیونکہ قانون سب کے لئے برابر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی زرہ گم ہوگئی تھی، انھوں نے دیکھا کہ وہ ایک یہودی کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے اس کو پکڑا اور اس پر دعویٰ کیا۔ قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ قاضی شریح نے کہا کہ جو آدمی دعویٰ کرتا ہے اس کے ذمے دو گواہ پیش کرنے ضروری ہوتے ہیں، آپ اپنے دو گواہ پیش کریں۔ انھوں نے کہا کہ ایک میرا آزاد کردہ غلام قمبر ہے اور ایک میرا بیٹا حسنؓ ہے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ غلام چونکہ آزاد ہوگیا ہے اس لئے اس کی گواہی قبول کر لیتے ہیں لیکن آپ کے بیٹے کی گواہی آپ کے حق میں قبول نہیں ہے۔ انھوں نے کہا: ''قاضی صاحب! یہ تو حضور ﷺ کا نواسہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا اَلْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ سَیِّدَا شَبَابِ اَھلَ الْجَنَّة کہ جنت کے نوجوانوں کے سردار حسن اور حسین ہیں، یہ تو وہ حسن ہے!'' قاضی صاحب نے کہا کہ امیر المؤمنین وہ تو آخرت میں ہے، دنیا میں آپ اُصولی گواہ لائیں گے جو کہ شریعت نے مقرر کیا ہوا ہے۔ انھوں نے کہا کہ دوسرا گواہ تو نہیں ہے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ اگر دوسرا گواہ نہیں ہے تو بس آپ کا مقدمہ خارج ہے، آپ یہ زرہ نہیں

لے سکتے۔اس یہودی نے باہر نکلتے ہی کلمہ پڑھا اور کہا کہ واقعی یہ زرہ میں نے چرائی تھی، جو لوگ اتنے حق پرست ہوں اور قانون کے اتنے پابند ہوں، یہ حق کے علاوہ اور کیا ہو سکتے ہیں۔اس پر وہ مسلمان ہوا ہے۔تو ایسی قانونی عملداری آئی ہے کہ جس میں ایک خلیفہ اور کافر کا مقدمہ آیا ہے، فیصلہ قانون کے مطابق کیا گیا ہے، کسی کی حیثیت کا لحاظ اور خیال نہیں کیا گیا۔

آپ ﷺ کی جدوجہد نے یہ نتائج سامنے لاکر دکھائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہزار سال تک مسلمان دنیا میں سُپر پاور بن کر چلے ہیں۔اس کے بعد پانچ، چھ ٹکڑوں میں تو تقسیم ہوئے ہیں لیکن پھر بھی عزت کی زندگی رہی ہے۔یہ تو ۱۹۲۰ء میں آکر کمال اتاترک کے ہاتھوں خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوا ہے جو کہ یہودی پیداوار تھا اور فری میسن (Freemasons) کا آدمی تھا ورنہ سلطنتِ عثمانیہ ۱۹۲۰ء تک یورپ کی سُپر پاور رہی ہے۔سیرت کا پڑھنا ایک بہت دلچسپ مشغلہ ہے۔اس کے پڑھنے میں اپنے آپ کو لگائیں تو بہت فائدہ ہوگا۔انشاءاللہ۔

(صفحہ نمبر ۴۳ سے آگے)

؎ تیری چاہت میری چاہت میں یہ زاہد فرق ہے
تجھ کو جنت چاہیے ، مجھ کو مدینہ چاہیے

شاعروں کا تو محض خیال ہوتا ہے، ہمیں تو جنت بھی چاہیے اور مدینہ بھی چاہیے۔ہمیں دونوں کی چاہت ہے۔تو حضور ﷺ کی چاہت ہے کہ انسان کو ہدایت مل جائے۔یہ جو آپ ﷺ ساری رات تہجد میں اس آیت کو پڑھ کر روئے ہیں:

اِن تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَ اِن تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیم. (مائدہ:۱۱۸)

کہ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی مغفرت فرما دیں تو آپ بہت زبردست ہیں، بہت حکمت والے ہیں۔

یہ کفار کے بارے میں بھی ہے اور یہ رونا آپ ﷺ کا ساری اُمت کے لئے ہے۔

(جاری ہے)

صراطِ مستقیم

(پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب، شعبۂ سِول انجینئرنگ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور)

حرفِ آغاز: یونیورسٹی کے ماحول میں مختلف مکاتبِ فکر کے لوگ اکٹھے رہتے ہیں۔اس دوران اکثر یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں تو بہت سارے طبقے ہیں، مثال کے طور پر سنّی، شیعہ، حنفی، غیر مقلدین، دیوبندی اور بریلوی وغیرہ، ان سب میں سے آخر حق پر کون ہے؟ ہمارے اکابر کی کئی ایک کتابیں اِس سوال کا تفصیلی جواب دینے کے لئے موجود ہیں، مثال کے طور پر مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم''، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب ''حُجیتِ حدیث'' اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ وغیرہ۔ چونکہ لوگوں کے پاس زیادہ وقت نہیں ہوتا لہٰذا بندہ نے اِن کتابوں سے استفادہ کر کے زیرِ نظر مضمون تیار کیا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ مضمون جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لئے مفید ثابت ہوگا۔(انشاءاللہ)

....

ہمارا ایمان ہے کہ اسلام ہی واحد سچا دین ہے اور قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری سچی کتاب ہے۔ اِس لئے ہمیں اپنی تمام دینی و دنیوی اُمور میں رہنمائی بھی قرآن ہی سے لینی چاہیئے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (البقرۃ:۲)

ترجمہ: یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے اُن ڈر رکھنے والوں کے لئے۔

گویا یہ کتاب بنیادی طور پر ہدایت کی طرف لے جانے والی کتاب ہے۔ ہدایت کیا چیز ہے؟ ایک ایسا رستہ جس پر چل کر آپ کامیاب ہو جائیں۔ اِسی کو صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) بھی کہتے ہیں۔

حق کی پہلی کسوٹی۔ قرآن:

اگر ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ حق پر کون ہے تو سب سے پہلے ہمیں قرآن پاک کی طرف دیکھنا ہوگا۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام اختیار کرنے کو ہی کامیابی کا راستہ بتایا ہے۔

ارشادِباری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ (اٰل عمران: ۱۹)

ترجمہ: بے شک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ (اٰل عمران:۸۵)

ترجمہ: جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا، تو اُس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا۔

لٰہذا ہدایت اور کامیابی کے لئے پہلی شرط اسلام ہے۔مسلمان ہوئے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔

غیر مسلموں کے اچھے کاموں کا بدلہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ غیر مسلم بھی بہت اچھے اچھے کام کرتے ہیں، لوگوں کا مفت علاج کرتے ہیں، اُن کی مدد کرتے ہیں، اُن کے ساتھ آخرت میں کیا معاملہ ہوگا؟ اس کا جواب بھی قرآن پاک نے دیا ہے:

وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ (شوریٰ:۲۰)

ترجمہ: اور جو شخص (صرف) دنیا کی کھیتی چاہتا ہو، ہم اُسے اِسی میں سے دے دیں گے، اور آخرت میں اُس کا کوئی حصّہ نہیں۔

یعنی غیر مسلموں کو دنیا ہی میں اُن کے اچھے اعمال کا اجر مل جائے گا، چاہے شہرت کی صورت میں ہو یا مال و دولت اور سہولتوں کی فراوانی کی صورت میں۔البتہ آخرت میں اُن کا کوئی حصہ

نہیں ہوگا۔ایسے واقعات بھی ہیں کہ بعض کفار کو نیک اعمال کا بدلہ آخرت میں عذاب کی کمی کی شکل میں ملا ہے۔ چنانچہ ابوطالب کا واقعہ کہ انھیں فقط آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے۔ کیونکہ عمل کو اللہ کی رضا کے لئے اخلاص کے ساتھ کرنا،اس کو ریا سے پاک کرنا اور کسی قسم کے دولت،شہرت،عورت کے جذبات سے خالی کر کے کرنا اتنا مشکل کام ہے کہ مسلمان آدمی بھی جب تک اس بات کو صوفیہ کی تربیت سے گزر کر حاصل نہ کر چکا ہو تو اس سے بھی نیک عمل فاسد اور خراب جذبات کے تحت ہی ہو جاتا ہے۔ جبکہ کافر تو اخلاص اور رضائے الٰہی اور اس کے مقابلے میں دولت،عورت،شہرت کے فاسد جذبات کو سمجھتا ہی نہیں ہے تو اس کی نیت کیسے کر سکتا ہے؟ بالفرض اگر یہ نیک کام ان سارے مفادات سے بالاتر ہو کر فقط انسانیت کی خدمت کے لئے اللہ کی رضا اور اخلاص کے ساتھ کرے تو اللہ کی رحمت سے یہ بات بالکل دور نہیں کہ باقی تو کسی کو پتہ ہی نہ ہو جبکہ اسے اللہ نے ایمان نے نواز کر آخرت میں نجات دی ہوئی ہو۔اس قسم کے کئی واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کیسے رکھنے چاہئیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفّار کے ساتھ گزر بسر کیسے کی جائے؟ جس معاشرے میں ہندو،عیسائی،یہودی،سِکھ وغیرہ سب رہ رہے ہوں تو وہاں کیا کرنا چاہیئے؟ اِس کا جواب قرآن یوں دیتا ہے: وَلاَ تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام:۱۰۸)

ترجمہ: (مسلمانو!) جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں،تم اُن کو بُرا نہ کہو،جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو بُرا کہنے لگیں۔

گویا دیگر مذاہب کے معبودوں اور پیشواؤں کو گالیاں دینا اسلام کی کوئی خدمت نہیں۔اسلام کی تبلیغ کے لئے قرآن نے حکمت کے ساتھ کام کرنے کی تلقین کی ہے۔اسلام ہمیں غیر مسلموں کی خیریت پوچھنے،مالی مدد کرنے،بیمار پرسی کرنے کی اجازت دیتا ہے البتہ ان کے ساتھ ایسا تعلق رکھنے سے اجتناب کرنا چاہیئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے اِنفرادی یا اِجتماعی مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

غیر مسلموں میں ایک گروہ کو زندیق کہا جاتا ہے۔ اُن کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات رکھنا جائز نہیں۔ زندیق اُس غیر مسلم کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو غیر مسلم ہونے کے باوجود مسلمان کہتا ہو جیسے قادیانی، پرویزی وغیرہ۔ قادیانی ختمِ نبوت کے منکر ہیں اور نبوت کے جھوٹے دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے ہیں جبکہ پرویزی مشہور منکر حدیث غلام احمد پرویز کے پیروکار ہیں، جو قرآن کو تو مانتے ہیں لیکن احادیث نبوی ﷺ کو جھٹلاتے ہیں اور قرآن کی وہ تشریح مانتے ہیں جو مسٹر پرویز نے کی ہے۔

حق کی دوسری کسوٹی۔ حدیثِ نبوی ﷺ:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ احادیثِ نبوی ﷺ کے بغیر قرآنی تعلیمات کو پوری طرح سمجھنا ناممکن ہے۔ قرآن مجید سے ہی ہمیں اِس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے مضامین کی وضاحت کے لئے حضرت محمد ﷺ کو منتخب کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (النحل: ۴۴)

ترجمہ: اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے تاکہ وہ غور (دھیان) کریں۔ (معارف القرآن)

یادداشت قرآن مجید ہے جب کہ اس کو کھول کر بیان کرنا آپ ﷺ کی حدیث ہے اور وہ غور کریں میں صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدینؒ کا غور ہے جو گویا آیت سے ثابت ہو گیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلاً مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ

ترجمہ: جیسے ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے، اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے، اور تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (البقرۃ: ۱۵۱)

اس آیت کی تشریح میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ "آسان ترجمۂ

قرآن‘‘میں فرماتے ہیں:

’’نبی کریم ﷺ کا پہلا فریضہ تلاوتِ آیات ہے اور دوسرا مقصد قرآنِ کریم کی تعلیم ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم کے بغیر قرآنِ کریم کو ٹھیک سمجھنا ممکن نہیں اور یہ کہ صرف ترجمہ پڑھ لینے سے قرآنِ کریم کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ اہلِ عرب عربی سے خوب واقف تھے، اُنھیں صرف ترجمہ سکھانے کے لئے کسی اُستاد کی ضرورت نہیں تھی۔ تیسرے آپ کا فریضہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ ’حکمت‘ کی تعلیم دیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ حکمت، دانائی اور عقلمندی وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے تلقین فرمائی۔ اِس سے نہ صرف آپ ﷺ کی احادیث کا حُجت ہونا معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر آپ کا کوئی حکم کسی کو اپنی عقل کے لحاظ سے حکمت کے خلاف محسوس ہو تو اعتبار اُس کی عقل کا نہیں، بلکہ آنحضرت ﷺ کی سکھائی ہوئی حکمت کا ہے۔ چوتھا فریضہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو پاکیزہ بنائیں۔ اس سے مراد آپ ﷺ کی عملی تربیت ہے۔‘‘

آپ ﷺ کی عملی تربیت قرآن میں آئی ہوئی ہدایات کے مطابق انسان کے باطن کے اخلاقِ رذیلہ یعنی کبر، حسد، لالچ، کینہ، ریا، جذباتِ شہوانیہ کا غلط استعمال، جذبۂ غضب سے مغلوب ہو کر دوسروں کو نقصان پہنچانا اور ان پر ظلم کرنا، ان ساری باتوں کو پاک کرکے ان کی جگہ عاجزی، محبت، خیر خواہی اور اخلاص کے جذبات پیدا کرنا ہے۔

اب اگر کوئی شخص قرآن کو مانتا ہے اور حدیث کو نہیں مانتا تو اُس کے پاس قرآن کی تشریح نہیں ہوگی اور اُسے ایسے بے شمار مسائل سے واسطہ پڑے گا جس کا حل اسے قرآن میں نہیں ملے گا۔ مثال کے طور پر قرآن میں ہے: ’نماز پڑھو‘ اب نماز کس طرح پڑھیں؟ نماز کا تفصیلی طریقہ قرآن میں نہیں ہے بلکہ یہ نبی کریم ﷺ کے قول وفعل سے ہمارے علم میں آیا ہے۔ اِسی طرح زکوٰۃ کا حکم بھی قرآن میں ہے، لیکن کتنی زکوٰۃ ادا کرنی ہے، کس کس کو دینی ہے، یہ تفصیل قرآن میں نہیں۔ اِس کی

وضاحت ہمیں صرف نبی کریم ﷺ کے اِرشادات سے ہی ملتی ہے۔لہٰذا قرآن بھی حق ہے اِس کو بھی ماننا ہے اور حدیث بھی حق ہے، اُس کو بھی حُجت (Authority) ماننا ہے۔تمام عالم اِسلام کے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حدیث کا منکر مسلمان نہیں۔

حدیث کی کتابیں کب لکھی گئی ہیں؟

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث کی کتابیں تو دوسو سال بعد لکھی گئی ہیں۔ یاد رکھیں یہ محض ایک پراپیگنڈہ ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ حدیث کی مشہور کتابیں جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ بعد میں لکھی گئی ہیں مگر اِس کا یہ مطلب نہیں کہ احادیث سرے سے لکھی ہی نہیں گئیں تھیں۔ دیکھیں قرآن مجید بھی کتابی شکل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں یکجا کیا گیا تھا۔مگر اِس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن مجید پہلے سے لکھا ہوا موجود ہی نہ تھا بلکہ صحابہ کرام کے پاس مختلف آیتوں اور سورتوں کے لکھے ہوئے اپنے اپنے نسخے موجود تھے۔انھیں فقط اکٹھا کر کے ایک کتاب کی شکل دے دی گئی۔اصل بات یہ ہے کہ احادیث حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے ہی لکھی جا چکی تھیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے مجموعے شخصی تھے۔ پھر ایک ایک شہر کے مجموعے جمع ہو گئے۔ بعد میں مختلف علماء نے انہی مجموعوں کو مختلف ترتیبوں سے اپنی کتابوں میں جمع کر کے شائع کر دیا۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اتنے شاندار حافظے تھے کہ ہزار ہا اشعار یاد کر لیتے تھے۔ آج کل بھی ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حیران کُن حافظہ دیا ہوتا ہے۔اور پھر جس سے محبت ہو اُس کی باتیں تو بندہ بھولتا ہی نہیں۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم ﷺ کے سچے عاشق تھے۔اُنہوں نے نبی کریم ﷺ کی ایک ایک بات اور ایک ایک عمل کو یاد رکھا اور پوری اُمت تک پہنچایا۔(تدوین حدیث کے موضوع پر مزید تفصیل کے لئے مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب ''حُجیتِ حدیث'' یا "The Authority of Sunnah" ملاحظہ کریں) چند گنے چُنے صحابہ کرامؓ کے علاوہ اکثر سے تھوڑی تھوڑی احادیث روایت ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ صرف

انہی احادیث کو روایت کرتے تھے جو انھوں نے خود حضور ﷺ سے سنی ہوتیں اور آپ ﷺ ہی کے الفاظ میں یاد ہوتیں۔

حق کی تیسری کسوٹی - صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال:

دین کو سمجھنے اور اِس پر عمل کرنے کے لئے قرآن اور حدیث کے بعد جو تیسرا اہم ذریعہ (Source) ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہے۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت دراصل ایسے جانثاروں پر مشتمل تھی جو ہر آن ہر گھڑی حضور ﷺ کے اشاروں پر جان نچھاور کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اُن کی نشست و برخاست ہمہ وقت حضور ﷺ کے ساتھ رہتی تھی۔ غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوتے۔ پانچوں وقت کی نماز آپ ﷺ کی امامت میں ادا کرتے اور دن رات کا زیادہ وقت حضور ﷺ کی صحبت میں گزارتے تھے۔ غرض سفر و حضر، خوشی غمی، دن اور رات کا ساتھ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس دوران حضور ﷺ سے صادر ہونے والے تمام افعال اور ارشادات کے شاہد اور گواہ تھے۔ لہٰذا حضور ﷺ کی چاہت اور منشاء کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ سمجھنے والا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھیئے نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور اعمال کی صرف وہی تشریح قابلِ قبول ہوگی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی ہے۔ نبی کریم ﷺ اُستاد تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن کے اولین شاگرد، انھوں نے حضور ﷺ کے صرف الفاظ کو ہی یاد نہیں رکھا بلکہ ان کے احساسات، جذبات اور منشاء کو بھی سمجھا اور یاد کیا۔ لہٰذا دین کو سیکھنے اور اِس پر عمل کے لئے قرآن و حدیث ضروری ہیں لیکن اس کو سمجھنے کے لئے صرف اپنی فہم اور رائے کو درست سمجھنا ٹھیک نہیں بلکہ اتھارٹی (حُجت) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فہم، رائے اور عمل ہے۔ جو انھوں نے سمجھا اور جیسی تشریح انھوں نے کی، درحقیقت اصل دین وہی ہے اور ہمیں اُسی پر عمل کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا کسی کام میں اگر ایک صحابی کی حدیث ایک طرح کی ہو اور عمل دوسری طرح کا ہو تو حضور ﷺ کی سنت صحابی کا عمل ہوگا اور حدیث کے بارے میں یہ رائے قائم کرنا ہوگی کہ وہ کسی خاص موقع کے لئے تھی ورنہ صحابی کا عمل اس کے خلاف کبھی نہ ہوتا۔

حق کی چوتھی کسوٹی - تشریحاتِ ائمہ مجتہدین (Explanations of Imams):

قرآن اور حدیث کے بعض مسائل تو بالکل واضح ہیں، اِن میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں پائی جاتی مثلاً غیبت، زنا، جھوٹ وغیرہ کے حرام ہونے اور ان سے بچنے کے بارے میں جو آیاتِ قرآنی اور احادیث آئی ہیں، عربی زبان سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی ان کو سمجھ کر ان پر عمل کر سکتا ہے لیکن بعض احکام و مسائل سے متعلق آیات اور احادیث ایسی ہیں جن کو سمجھنا عام آدمی کے فہم سے بالاتر ہے۔ لہٰذا ایسے پیچیدہ اور مشکل مسائل میں امام یا مجتہد کی رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا: ''جب تیرے سامنے کوئی جھگڑا آئے تو تُو اس کا کیسے فیصلہ کرے گا؟'' انھوں نے فرمایا: ''میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تجھے نہ ملے تو پھر تو کیا کرے گا؟'' انھوں نے فرمایا: ''پھر میں سنتِ رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔'' فرمایا: ''اگر سنتِ رسول اللہ اور کتابُ اللہ میں تجھے نہ مل سکے تو پھر تو کیا کرے گا؟'' انھوں نے فرمایا: ''پھر میں اپنی رائے سے اِجتہاد کروں گا اور اِس (اجتہاد) میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کروں گا۔'' آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر (رضامندی اور شفقت کا) ہاتھ مارا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس پر اللہ کا رسول راضی ہے۔''

(ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۹، ترمذی جلد ۱، صفحہ ۱۵۹، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۲۳، بحوالہ: فقہی مقالات، جلد ۵ از مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم) اِس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو مسئلہ قرآن و سنت اور عملِ صحابہ میں نہ مل سکے تو کسی مجتہد کا اس میں اِجتہاد کر کے اس کا حل نکالنے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی شامل ہے۔

تشریحاتِ ائمہ مجتہدین کی مثال ایسی ہے جیسے کسی ملک کی عدالتِ عالیہ (سپریم کورٹ) کے جج کسی خاص مقدمہ میں اپنا فیصلہ سنا دیں تو وہ آئندہ کے لئے ایک مثال (Precedent) بن جاتی

ہے۔ آئندہ جب اِس قسم کا مقدمہ عدالت میں پیش ہوتا ہے تو عدالت قانون کی اصل کتابوں کو دیکھنے کی بجائے اِس مثال کی بنیاد پر فیصلہ سناتی ہے۔ اسی طرح جب منصبِ امامت پر فائز مجتہد کسی مسئلہ میں قرآن، حدیث اور عملِ صحابہ کی روشنی میں کوئی رائے قائم کرے تو پھر یہ رائے عوام کے لئے حجت بن جاتی ہے۔ اور اِس کے بعد کسی کو یہ کہنے کا حق حاصل نہیں کہ جو لوگ امام کے فیصلوں کی پیروی کرتے ہیں وہ قرآن وحدیث کی بجائے امام کو مانتے ہیں۔ کیونکہ امام کا فیصلہ اصل ذرائع یعنی قرآن، حدیث اور صحابہ کے عمل سے ہی وجود میں آتا ہے۔

اب اہم سوال یہ ہے کہ امام یا مجتہد کون ہوسکتا ہے؟ اِس سوال کا تفصیلی جواب جاننے کے لئے حضرت مفتی تقی عثانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب ''تقلید کی شرعی حیثیت'' کا مطالعہ کریں، مگر مختصراً ہم اتنا عرض کر دیتے ہیں کہ جس طرح کسی ملک کے قانون وآئین کی تشریح ہر ایک کا کام نہیں اسی طرح احکامِ شریعت کی گتھیوں کو سُلجھانا بھی ہر ایک کا کام نہیں۔ منصبِ امامت کی کڑی شرائط کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں صرف چند ہی حضرات اِس منصب پر فائز ہوسکے ہیں۔ جن میں سے اللہ تعالیٰ نے قبولیت عام صرف چار بزرگ ترین ہستیوں (حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ) کو نصیب فرمائی۔ اور یہ حضرات حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق خیر القرون یعنی خیر والے زمانے کے لوگ ہیں۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے:

خَیرَ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ.

ترجمہ: خیر والا زمانہ میرا ہے پھر اس کے بعد کا پھر اس کے بعد کا۔

آپ ﷺ کا دور اور صحابہ کرامؓ کا دور پہلا دور ہے، صحابہ کرامؓ کے بعد ان کے شاگردوں یعنی تابعین کا دور ہے، اس کے بعد تابعین کے شاگردوں یعنی تبع تابعین کا دور ہے۔ چنانچہ دینی تشریحات کی ساری بنیادیں انہی دوروں میں فیصلہ ہوئی ہیں۔ ان ادوار کے ہی خیر پر ہونے کی ذمہ

داری آپ ﷺ نے قبول فرمائی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ تابعی ہیں جبکہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ تبع تابعی ہیں۔

دین کے بنیادی ذرائع:

بس یہ چار چیزیں (قرآن، حدیث، صحابہ کرامؓ کا عمل اور تشریحاتِ ائمہ مجتہدین) ہی دین کے بنیادی ذرائع (Sources) ہیں۔ پہلا ذریعہ یعنی منبع قرآن ہے، دوسرا حدیث ہے جو قرآن پاک کی تشریح ہے، تیسرا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہے جو حدیث کی تشریح ہے اور چوتھا تشریحاتِ ائمہ مجتہدین ہے۔ جو لوگ اِن چار ذرائع کی روشنی میں دین کی تشریح کو مانتے ہیں ان کو ''اہلِ سنت والجماعت'' کہتے ہیں۔ اب اِن بنیادی ذرائع کی روشنی میں مختلف اِختلافات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ ائمہ کرام کا باہمی اِختلاف:

ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ تاریخِ اسلام میں چار بڑے بزرگ علماء وفقہاء گزرے ہیں جنھوں نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے دینِ اسلام پر آسانی سے عمل کرنے کا حل پیش کیا ہے۔ وہ چار بڑے علماء، مجتہد اور اِمام یہ ہیں۔

۱۔ امام اِعظم ابوحنیفہؒ، ۲۔ امام شافعیؒ، ۳۔ امام مالکؒ، ۴۔ امام احمد بن حنبلؒ

ان چاروں ائمہ کرام نے اپنی ساری زندگی مسلمانوں کو پیش آنے والے دینی مسائل کے حل کے لئے وقف کر دی اور قرآن، حدیث اور عملِ صحابہؓ کی روشنی میں اِجتہاد کر کے ہمیں ایک ایسا عظیم الشان ذخیرہ دیا جسے ہم 'فقہ' کے نام سے جانتے ہیں اور جس میں قیامت تک آنے والے لوگوں کے تمام مسائل کے حل کے لئے قرآن، حدیث اور عملِ صحابہؓ کی روشنی میں بنیادی اصول امت کو دئے گئے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ان ائمہ کرام کے درمیان مختلف مسائل میں اختلاف موجود ہے مگر اس اختلاف کی مثال ایسی ہے جیسے استاد کلاس میں ریاضی کا ایک سوال حل کرتا ہے اور سوال چار طریقوں سے حل ہو جاتا ہے۔ چاروں طریقوں سے جواب بھی ایک جیسا آتا ہے اور طریقے بھی چاروں ٹھیک

ہیں۔ اب ایک شاگرد کو ایک طریقہ پسند آگیا، دوسرے کو دوسرا، تیسرے کو تیسرا اور چوتھے شاگرد کو چوتھا طریقہ پسند آگیا تو ظاہر ہے یہ چاروں طریقے ٹھیک ہیں۔ حضور ﷺ کی زندگی میں اُن کے سامنے بھی ایسے اختلافی واقعات پیش آئے ہیں لیکن آپ ﷺ نے ان پر ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ مثال کے طور پر غزوۂ خندق کے موقع پر حضور ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ کوئی شخص بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنوقریظہ جا کر۔ (یعنی عصر کی نماز بنوقریظہ نامی قبیلہ میں پہنچ کر پڑھو) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حکم سُنا اور چل پڑے۔ راستہ میں عصر کا وقت ہو گیا۔ بعض صحابہ کرامؓ نے وہیں راستے ہی میں نماز پڑھ لی اور کہنے لگے کہ حضور ﷺ کی مراد یہ تھی کہ تم جلدی وہاں (بنوقریظہ) پہنچو، یہ مطلب نہ تھا کہ تم راستے میں نماز ہی نہ پڑھنا۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ بنوقریظہ میں جا کر نماز پڑھنا اِس لئے ہم تو راستے میں نماز نہیں پڑھیں گے بلکہ وہیں (بنوقریظہ) پہنچ کر ہی نماز پڑھیں گے۔ جب دونوں کا واقعہ حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک درست ہے اور دوسرا غلط۔

(بخاری شریف جلد۲ صفحہ ۵۹۱، بحوالہ اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم)

اِسی قسم کا ایک اور واقعہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہٗ روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دو صحابہ (رضی اللہ عنہما) کہیں سفر پر جا رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا اور ان کو وضو کے لئے پانی دستیاب نہ ہو سکا۔ دونوں نے تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی اور پھر نماز کا وقت ابھی باقی ہی تھا کہ پانی مل گیا۔ ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز دُہرا لی اور دوسرے نے نماز کا اعادہ نہ کیا (یعنی نماز نہ دُہرائی)۔ حضور ﷺ سے جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو اپنا واقعہ سنایا۔ آپ ﷺ نے اُس شخص سے جس نے نماز دوبارہ نہیں پڑھی تھی فرمایا: ''تو نے سنت کے موافق کام کیا اور تجھے تیری نماز کافی ہو گئی۔'' اور جس نے وضو کر کے نماز دُہرا لی تھی اُس سے فرمایا: ''تیرے لئے دُہرا اجر و ثواب ہے۔''

(ابوداود جلد ۱ صفحہ ۵۵، نسائی ج ۱ صفحہ ۷۵، بحوالہ اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم)

ان واقعات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اگر اختلافات حدود کے اندر ہوں تو اُس پر

حضور ﷺ نے بھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔

ائمہ کرام کے درمیان اِختلاف رحمت ہے:

ائمہ کرام کا یہ اختلاف ہمارے لئے رحمت ہے بشرطیکہ ہم اس کو اپنے لئے زحمت نہ بنائیں۔اس بات کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔دورانِ حج وعمرہ طواف کے بعد دو (۲) رکعت نفل نماز (دوگانہ) پڑھی جاتی ہے، جس میں اکثر اوقات مرد اور عورتیں قریب قریب کھڑے ہوجاتے ہیں۔حضرت امام شافعیؒ کی تحقیق کے مطابق اگر عورت مرد کے سامنے کھڑی ہوگئی تو مرد کی نماز ٹوٹ جائے گی۔جبکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تحقیق کے مطابق نماز تب فاسد ہوگی جب دونوں ایک ہی نماز ایک ہی امام کے پیچھے پڑھ رہے ہوں اور عورت مرد کے سامنے اتنی دیر کھڑی رہے جس میں تین مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہا جاسکے۔چنانچہ اگر انسان کو ایسے مشکل حالات پیش آجائیں جس میں اپنے امام کی تحقیق پر عمل کرنے کی صورت نہ بن رہی ہو تو مُستند اور جیّد مفتی حضرات سے رہنمائی لے کر کسی دوسرے امام کی تحقیق پر عمل کیا جاسکتا ہے، جیسے مندرجہ بالا صورت میں شافعی حضرات امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں۔لیکن یاد رکھیں کہ محض اپنے آرام، آسانی اور نفسانی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کسی دوسرے اِمام کے مسئلہ کو آسان سمجھتے ہوئے اُس کو اختیار کرنا اور عمل کرنا تمام علمائے اسلام کے نزدیک 'ناجائز' ہے۔عام حالات میں کسی ایک مجتہد (امام) کی تحقیق پر ہی عمل کرنا ضروری ہے۔یہی چیز آدمی کو پابند بناتی ہے اور اپنے آرام، آسانی اور نفسانی خواہش کے پیچھے چلنے سے روکتی ہے اور گمراہ ہونے کا خطرہ نہیں رہتا۔

سوادِ اعظم کا اتباع:

'السوادالاعظم' عربی زبان میں 'عظیم ترین (بڑی) جماعت' کو کہتے ہیں۔اس وقت پوری دنیا میں سنی، شیعہ اور غیر مقلدین کی مجموعی تعداد تقریباً ڈیڑھ ارب (I.6 Billions) ہے، جس میں سے تقریباً ۸۸ فیصد اہلِ سنت والجماعت ہیں جبکہ ۱۰ فیصد شیعہ اور ۲ فیصد غیر مقلدین ہیں۔اہلِ سنت و

الجماعت میں سے امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک پر تقریباً ۵۴ فیصد لوگ عمل پیرا ہیں جبکہ امام شافعیؒ کے مسلک پر ۲۴ فیصد، امام مالکؒ کے مسلک پر ۲۰ فیصد اور امام احمد ابنِ حنبلؒ کے مسلک پر تقریباً ۲ فیصد لوگ عمل پیرا ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ سلم نے فرمایا: ''میری اُمت کسی گمراہی پر جمع (متفق) نہیں ہوگی پس جب تم (لوگوں میں) اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کو لازم پکڑ لو (یعنی اُس کی اتباع کرو)۔'' (سنن ابن ماجہ۔ کتاب الفتن، باب: السواد الاعظم)

اس حدیث کی تشریح میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ائمہ اربعہ (امامِ اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ) کا اتباع سوادِ اعظم کا اتباع ہے، اور ان سے خُروج سوادِ اعظم سے خروج ہے۔''

(عقد الجید۔ بحوالہ: اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم، حصہ دوم)

۲۔ اہلِ سنت و الجماعت اور غیر مقلدین (وہابی یا اہلِ حدیث) کا اختلاف:

مقلدین اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو ائمہ اربعہ (چار اماموں) کی تشریحات کی روشنی میں دین پر عمل کرتے ہیں جبکہ غیر مقلدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایک امام کی پیروی کو ضروری نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ ''اہلِ حدیث'' اور ''وہابی'' کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ دنیائے اسلام میں ان کی تعداد تقریباً ۲ فیصد ہے۔ اِن کا خیال یہ ہے کہ کسی ایک امام کی اقتداء (پیروی) کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر شخص کو قرآن اور احادیث سے جو بات جس طرح سمجھ آئے اُس پر عمل کرنا چاہیئے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کیونکہ علمِ طب (Medical) میں تو طب کے ماہر (ڈاکٹر) کی تقلید ضروری سمجھی جاتی ہے اور علمِ شریعت میں اس سے انکار کیا جاتا ہے!

اہلِ حدیث حضرات کی جانب سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ تقلید کا رواج کئی صدیوں بعد شروع ہوا ہے اس لئے یہ جائز نہیں۔ مگر یہ بات صحیح نہیں کیونکہ آپ ﷺ کے زمانے میں بھی یہ دستور تھا کہ ناواقف اور عامی لوگ اہلِ علم سے مسائل پوچھتے اور ان کے فتویٰ پر عمل کرتے تھے اور اسی کو تقلید

کہا جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ اہلِ حدیث حضرات بھی چند گنے چنے مسائل کے سوا بظاہر محدثین ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ اِس لئے گو انھیں تقلید کے لفظ سے انکار ہے مگر غیر شعوری طور پر ان کا بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کوئی عقلی ایجاد نہیں بلکہ منقولات (قرآن اور حدیث سے نقل شدہ علوم) کا نام ہے اور منقولات میں ہر آنے والا طبقہ اپنے سے پہلے طبقے کے نقش قدم پر چلتا ہے۔

اگر چہ ائمہ کرام کی تقلید نہ کرنا بھی کوئی اچھی بات نہیں لیکن اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اہلِ حدیث حضرات بعض اوقات اجماعِ صحابہؓ اور اجماعِ امت سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ہمیں معلوم ہے کہ رمضان میں عشاء کی سنتوں کے بعد بیس (۲۰) رکعت نمازِ تراویح پڑھی جاتی ہے جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہی صحابہ کرامؓ کا اجماع (اتفاق) ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کو بیس (۲۰) رکعت تراویح پر ایک امام کے پیچھے جمع کیا اور اُس وقت سے لے کر آج تک حرمین شریفین (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) سمیت پوری امت بیس (۲۰) رکعت تراویح ہی پڑھ رہی ہے۔ غیر مقلدین کا موقف یہ ہے کہ حدیث سے آٹھ (۸) رکعت تراویح ثابت ہے۔ اگر چہ ان کی یہ دلیل بالکل غلط ہے کیونکہ آٹھ رکعات والی حدیث تمام سال کے بارے میں ہے، صرف رمضان کے بارے میں نہیں، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر یہ دلیل درست بھی ہو تو کیا یہ حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سمجھ میں نہیں آئی تھی؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اِس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کبھی آٹھ (۸) رکعت تراویح پڑھی ہے؟ کیا کسی صحابیؓ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یا ان کے بعد صحابہ کرامؓ کو حدیث کی مخالفت پر نہیں روکا؟ کیا اِس حدیث کو خلفائے راشدین، دیگر صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین، تبع تابعین، فقہاء، مجتہدین میں سے کسی نے بھی نہیں سمجھا؟ کیا تمام صحابہ کرامؓ کا عمل اور ان کی رائے (نعوذ باللہ) غلط اور دور حاضر کے غیر مقلدین کا موقف درست ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ امید ہے اِس بات سے غیر مقلدین کا موقف بخوبی سمجھ میں آ گیا ہو گا۔ مشہور اہلحدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم اہلحدیث کی اس خود رائی اور ترکِ تقلید کا ماتم کرتے ہوئے

بالکل صحیح لکھتے ہیں:

’’پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر اور اِرتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہِ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترکِ مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوتے جاتے ہیں۔‘‘ (اشاعت السنۃ نمبر۴، جلد۱، مطبوعہ ۱۸۸۸ء، بحوالہ اِختلافِ امت اور صراطِ مستقیم)

غیر مقلدین کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ کی کتاب ’’اختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم‘‘ حصہ اول، صفحہ۳۴ تا ۴۲ اور مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب کی کتاب ’’میں حنفی کیسے بنا؟‘‘۔

ہمارے اکابر علمائے کرام کی رائے میں معتدل مزاج، متقی اور اہلِ علم علمائے غیر مقلدین قابلِ برداشت ہیں بشرطیکہ وہ صحابہ کرام، مجتہدینِ اسلام اور اولیائے کرام کی توہین نہ کرتے ہوں اور چار ائمہ کرام کے پیروکاروں کو مشرک، گمراہ اور بدعتی نہ سمجھتے ہوں۔

۳۔ دیوبندی، بریلوی اِختلاف:

دیوبندی الگ سے کسی گروہ یا فرقے کا نام نہیں بلکہ اہلِ سنت والجماعت کی تعلیمات اور مسلکی شناخت کے سلسلے میں امتیازی شان کے مظہر علماء کے مرکز کے طور پر ساری دنیا میں متعارف ہے۔ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش اور دیگر اسلامی ممالک میں ہزاروں دینی مدارس دیوبند سے فارغُ التحصیل علمائے کرام نے قائم کئے جو علمائے دیوبند ہی کی سرپرستی اور نگرانی میں کام کر رہے ہیں۔ علمائے دیوبند کا اصل امتیاز اعتدال اور توازن ہے، جو کہ اسلام کا اصل مقتضیٰ ہے۔

بریلوی مکتبۂ فکر کا آغاز احمد رضا خان بریلوی سے ہوا جن کا تعلق ہندوستان کے قصبہ رائے

بریلی سے تھا۔ اس لئے ان کے پیروکاروں کو بریلوی کہا جاتا ہے۔ بریلوی حضرات اہلِ سنت والجماعت کے امام، امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں اور دیگر ائمہ کرام اور اولیائے کرام کا احترام کرتے ہیں لیکن بعض امور میں اِن کا نکتۂ نظر جمہور علماء کے مسلک سے مختلف ہے، جس میں بعض مفاد پرست اور جاہل لوگوں کی وجہ سے شدت آئی ہے۔

دیوبندی بریلوی اختلاف کے بارے میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ اپنی کتاب 'اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم' میں فرماتے ہیں:

''میرے لئے 'دیوبندی بریلوی اختلاف' کا لفظ ہی موجب حیرت ہے، کیونکہ سُنی شیعہ اختلاف تو صحابہ کرامؓ کے ماننے اور نہ ماننے پر پیدا ہوا اور اہلِ سنت والجماعت اور غیر مقلدین کا اختلاف ائمہ کرام کی پیروی کرنے، نہ کرنے پر پیدا ہوا لیکن 'دیوبندی بریلوی اختلاف' کی کوئی بنیاد میرے علم میں نہیں ہے اس لئے کہ یہ دونوں فریق امام ابوحنیفہؒ کے ٹھیٹھ مقلد ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ تک سب اکابر کے عقیدت مند ہیں۔ تصوف وسلوک میں دونوں فریق اولیاء اللہ کے چاروں سلسلوں میں بیعت کرتے، کراتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کے درمیان مجھے اِختلاف کی کوئی صحیح بنیاد نظر نہیں آتی۔ تاہم میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ اِن کے درمیان چند امور میں اختلاف ہے۔''

ان دونوں (دیوبندی، بریلوی) کے درمیان جن اہم امور میں اختلاف ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ آنحضرت ﷺ نور تھے یا بشر؟

۲۔ آپ ﷺ عالم الغیب تھے یا نہیں؟

۳۔ آپ ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں یا نہیں؟

ذیل میں قرآن کریم، ارشاداتِ نبوی ﷺ، تعامل صحابہؓ اور فقہ حنفی کی روشنی میں ان مسائل کا مختصر جواب پیش خدمت ہے۔

۱۔ نور اور بشر: آپ ﷺ کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکھف:۱۱۰)

ترجمہ: کہہ دو کہ میں تو تمہی جیسا ایک انسان ہوں، (البتہ) مجھ پر وحی آتی ہے کہ تم سب کا خدا بس ایک خدا ہے۔

ارشادنبوی ﷺ ہے: ''میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن۔''

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بشر تھے اور آپ ﷺ کا بشر، انسان اور آدمی ہونا نہ صرف آپ ﷺ کے لئے فخر کا باعث ہے بلکہ آپ ﷺ کے بشر ہونے سے انسانیت اور بشریت رشک ملائکہ ہے۔ بشر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ ساری انسانیت کے لئے مینارہ نور بھی ہیں۔ یہی ''نور'' ہے جس کی روشنی میں انسانیت کو خدا تعالیٰ کا رستہ مل سکتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ بیک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ نور و بشر کو دو خانوں میں بانٹ کر ایک کا انکار اور دوسرے کا ماننا غلط ہے۔

لیکن بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نور میں سے نور تھے جو لباس بشریت میں ظاہر ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ 'احد' اور 'احمد' میں صرف ''میم'' کا پردہ ہے (نعوذ باللہ) یہ بعینہٖ وہی عقیدہ ہے جو عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں رکھتے ہیں کہ وہ خدا ہیں جو لباسِ بشریت میں آئے۔ اسلام میں ایسے لغو اور بیہودہ عقیدے کی کوئی گنجائش نہیں۔ خدا اور بندۂ خدا کو ایک کہنے سے زیادہ لغو اور بیہودہ بات اور کیا ہو سکتی ہے؟

۲۔ عالمُ الغیب:

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ.

کہہ دو کہ: ''اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کسی کو غیب کا علم نہیں ہے، اور لوگوں کو یہ خبر بھی نہیں ہے کہ انھیں کب دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔'' (النمل:۶۵)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے: ''جو شخص یہ کہے کہ آپ ﷺ

غیب جانتے تھے اُس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا۔'' (صحیح بخاری، مشکوٰۃ شریف)

تمام ائمہ اہلِ سنت کا یہی مسلک ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہ علوم عطا کئے جو کسی مقدس نبی اور مقرب فرشتے کو عطا نہیں کئے۔ بلکہ تمام اولین و آخرین کے علوم آپ ﷺ کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہیں۔ جس طرح ساری کائنات کے علوم کو آپ ﷺ کے علوم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں یہی حیثیت آپ ﷺ کے علوم کی حق تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں ہے۔ اس لئے قرآن میں علمِ غیب اور انباء الغیب کی دو اصطلاحیں (Terms) آئی ہیں۔ علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے لئے آیا ہے اور انباء الغیب ان غیب کی خبروں اور علوم کے لئے آیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام یا اولیائے عظام کو دی ہیں۔ چنانچہ یہ آیت بھی اسی مضمون کو بیان کر رہی ہے۔

تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْھَآ اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُھَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ ھٰذَا.

ترجمہ: یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں کی ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف نہ تجھ کو ان کی خبر تھی اور نہ تیری قوم کو اس سے پہلے۔ (ھود: ۴۹)

۳۔ حاضر و ناظر: حاضر و ناظر کا مطلب ہے موجود اور دیکھنے والا اور اس سے مراد وہ ہستی ہے جس کا وجود کسی خاص جگہ میں نہیں بلکہ اس کا وجود بیک وقت ساری کائنات کو محیط ہے اور کائنات کی ایک ایک چیز کے تمام حالات اوّل سے آخر تک اُس کی نظر میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر ہی صادق آتا ہے اور یہ اُسی کی شان ہے۔ اس لئے آپ ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں اور کائنات کی ایک ایک چیز آپ ﷺ کی نظر میں ہے عقل کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے چہ جائے کہ شریعت کے اعتبار سے درست ہو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور اسے کسی دوسرے کے لئے ثابت کرنا غلط ہے۔ اور اگر حاضر ناظر ماننے کا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ کی روح طیبہ کو اجازت ہے کہ جہاں چاہے تشریف لے جائے تو اس سے آپ ﷺ کا ہر

جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ پاکستان کے ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ ملک کے جس حصّے میں جب چاہے آ جا سکتا ہے۔ کیا اس اجازت کا کوئی شخص یہ مطلب سمجھے گا کہ پاکستان کا ہر شہری ہر جگہ حاضر ناظر ہے؟ اِس کے علاوہ جب کسی خاص جگہ کے بارے میں کہا جائے کہ آپ ﷺ وہاں حاضر ہیں تو یہ ایک مستقل دعویٰ ہے جس کے لئے دلیلِ شرعی کی ضرورت ہے۔ دلیلِ شرعی کی غیر موجودگی میں ایسا عقیدہ رکھنا جائز نہیں۔

قارئین کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کوئی ذی شعور مسلمان اِن جیسے مسائل میں نبی کریم ﷺ کی ذات پاک کو اللہ تعالیٰ کے ہم مرتبہ لا کر اپنی عاقبت خراب نہیں کرے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک طرف سے مفاد پرست، دنیادار اور نام نہاد علماء نبی کریم ﷺ کی محبت کی آڑ لے کر دین سے بے بہرہ عوام کے جذبات کو استعمال کر کے ان کا استحصال کر رہے ہیں تو دوسری طرف چند گنے چنے نام نہاد توحیدی انتہا پسند طبقہ بِلا تحقیق کفر کے فتوے صادر کر کے حالات کو مزید خراب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور ہم سب کو صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۴۔ سُنّی شیعہ اختلاف:

سُنّی سے مراد اہل سنت والجماعت کے لوگ ہیں جو چاروں اماموں کی تقلید کر رہے ہیں اور سوادِ اعظم یعنی امتِ مسلمہ کا ۸۸ فیصد ہیں جبکہ شیعہ مذہب کے اپنے الگ عقائد و نظریات ہیں۔ دراصل 'شیعہ' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''دوست'' کے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہٗ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کے مابین خلافت کے مسئلے پر اختلاف پیدا ہو گیا تو کچھ لوگوں نے حضرت امیر معاویہؓ کا ساتھ دیا اور کچھ نے حضرت علیؓ کی حمایت کی۔ جن لوگوں نے حضرت علیؓ کی حمایت کی انہی میں سے ایک ایسا چھوٹا سا گروہ پیدا ہو گیا جو حضرت علیؓ کی شان میں حد درجہ مبالغہ کرتے تھے۔ اِن لوگوں نے اپنے آپ کو 'شیعانِ علی' کہنا شروع کر دیا جو بعد میں مختصر ہو کر صرف شیعہ رہ گیا۔ جب ان لوگوں میں سے بعض کا مبالغہ اتنا بڑھا کہ

حضرت علیؓ کو خدا کہنا شروع کر دیا تو حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اِن لوگوں کو سخت ترین سزائیں دی یہاں تک کہ بعض کو آگ میں جلانے کی سزا بھی دی۔ شیعوں میں اس مخصوص طبقہ کے لوگوں کو نُصیری شیعہ کہتے ہیں جو آج بھی قلیل تعداد میں دنیا کے مختلف علاقوں میں موجود ہیں۔ حضرت علیؓ کی شہادت اور واقعۂ کربلا کے بعد شیعہ جماعت اپنے مخصوص عقائد و نظریات کی بنا پر اہلِ سنت والجماعت سے بالکل الگ تھلگ ایک نئے فرقے کی شکل میں سامنے آئی۔

شیعہ مذہب کے عقائد پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ جن لوگوں کو تفصیل چاہئے وہ اِن کا مطالعہ کریں۔ ہم اپنے مضمون کی مناسبت سے شیخ الاسلام جسٹس ریٹائرڈ مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا وہ فتویٰ نقل کرنا کافی سمجھتے ہیں جو انہوں نے فتاویٰ عثمانی، جلد اول میں صفحہ نمبر ۹۷ پر تحریر کیا ہے۔

''جو شیعہ کُفریہ عقائد رکھتے ہوں، مثلاً قرآن کریم میں تحریف (Amendment) کے قائل ہوں یا یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے وحی لانے میں غلطی ہوئی، یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہوں، اُن کے کُفر میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن یہ بات کہ تمام شیعہ اس قسم کے کافرانہ عقائد رکھتے ہیں، تحقیق سے ثابت نہیں ہوئی اور کئی شیعہ یہ کہتے ہیں کہ 'الکافی' یا 'اصولِ کافی' (شیعوں کی مشہور کتابیں) وغیرہ میں جتنی باتیں لکھیں ہیں، ہم ان سب کو درست نہیں سمجھتے۔ دوسری طرف کسی کو کافر قرار دینا چونکہ نہایت سنگین معاملہ ہے، اس لئے اس میں بے حد احتیاط ضروری ہے۔ اگر بالفرض کوئی تقیّہ (اپنے عقائد و نظریات کو چھپانا) بھی کرے تو وہ اپنے باطنی عقائد کی وجہ سے عنداللہ کافر ہوگا، لیکن فتویٰ اُس کے ظاہری اقوال پر ہی دیا جائے گا۔ اسی لئے چودہ سو سال میں علمائے اہلِ سنت کی اکثریت شیعوں کو علی الطلاق کافر کہنے کے بجائے یہ کہتی آئی ہے کہ جو شیعہ ایسے کافرانہ عقائد رکھے، کافر ہے۔''

دراصل جو شیعہ کہیں کہ قرآن کے چالیس پارے تھے جن میں سے دس گُم ہو گئے تو وہ

قرآن پاک کی آیت اِنَّـا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (ترجمہ) ''ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت (قرآن) اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں'' (الحجر:۹) کے منکر ہو جاتے ہیں۔ اور جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگاتے ہیں وہ سورۃ النور کی اٹھارہ آیتوں کے منکر ہو جاتے ہیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس الزام سے بری ہونے کا ذکر ہے۔

یہاں پر اِس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ شیعہ سُنّی اِختلاف کوئی آج کا نہیں بلکہ سینکڑوں سال پرانا مسئلہ ہے۔ اس اختلاف پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں اور لاتعداد مناظرے ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ وہ آج اس مسئلے کو مکمل طور پر حل کر دیگا تو یہ ممکن نہیں کیونکہ جب انسان دلائل کو نظر انداز کر کے جذباتیت اور انانیت پر اُتر آتا ہے تو پھر اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوتی۔ البتہ ایسے اقدامات ضرور کیے جا سکتے ہیں جن پر عمل کرنے سے اس اختلاف کی شدت کو کم کیا جا سکے اور مزید خونریزی سے بچا جا سکے۔ مثلاً ہمارے ملک میں چونکہ سُنّی اکثریت ہے لہٰذا حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اقلیت (اہلِ تشیع) کو ایسے مظاہروں اور جلسوں کی اجازت نہ دے جس سے اکثریت میں اِشتعال پھیلے یا ان کے جذبات مجروح ہوں۔ اسی طرح سُنّیوں کو بھی پابند کرے کہ وہ اقلیت کے جذبات کو مجروح کرنے والے تمام اقدامات سے اجتناب کریں اور ان کے جان و مال کی حفاظت کریں۔

حکومت کو یہ بھی چاہئے کہ وہ دونوں جانب کے مقررین اور لکھاریوں کو پابند کرے کہ وہ ایک دوسرے کے اکابر اور پیشواؤں کو بُرے الفاظ اور القابات سے یاد نہ کریں اور نہ ہی ان کی توہین کریں۔ اسی طرح پورے ملک میں اشتعال انگیز تقاریر اور کتابیں ضبط کی جائیں اور ان کی مزید اشاعت اور پھیلاؤ کو روکا جائے۔ اگر حکومت اور مقتدر حلقے مندرجہ بالا اقدامات پر عمل درآمد کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس سے شیعہ سُنّی فرقہ وارانہ فسادات میں انشاءاللہ کمی آئے گی اور عوام سکون کا سانس لے سکیں گے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا باہمی اختلاف اور ہمارا لائحہ عمل:

تمام صحابہ کرامؓ قابل قدر اور ستاروں کی مانند ہیں۔ان میں جس کی بھی پیروی کی جائے اس میں نجات ہے۔قیامت کے دن ہم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان کیا اختلافات تھے اور ان میں حق پر کون تھا؟ جب ہم اس وقت موجود ہی نہیں تھے تو کیوں خواہ مخواہ اس بحث میں الجھیں۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ
بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (توبہ:۱۰۰)

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے، اور وہ اس سے راضی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے بعد میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا اور ان کو ہدفِ ملامت نہ بنانا اس لئے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کیا اور جس نے انہیں ایذا (تکلیف) پہنچائی گویا اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اللہ تعالیٰ عنقریب اسے اپنے عذاب میں گرفتار کرے گا۔'' (جامع ترمذی: جلد دوم)

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ صحابہؓ کے بارے میں زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکالی جائے جو ان کا درجہ گھٹائے یا جس سے ان کی تضحیک ہو۔اگر اتفاق سے صحابہؓ کے بارے میں کوئی نامناسب بات سامنے آ بھی جائے تو اس کی کوئی اچھی ہی تاویل کرنی چاہئے کیونکہ ایک عرصۂ دراز پہلے ہونے والی باتیں جس تناظر میں ہم موجود ہی نہیں تھے، ہم کیسے اس پر بحث کر سکتے ہیں۔پھر صحابۂ کرامؓ کی نیت پر شک کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ انھوں نے یہ کام کسی فساد کی نیت سے کئے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں جماعت اسلامی کے بانی جناب مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں کچھ ایسی باتیں لکھیں ہیں جو جمہور علما (اہلِ سنت والجماعت کے اکثر علما) کے مسلک کے خلاف ہیں۔ لہٰذا جماعتِ اسلامی سے تعلق رکھنے والے حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ دینی مسائل میں جمہور علما کے مسلک کی بجائے فردِ واحد کی رائے کو اپنا کر اپنی عاقبت خراب کرنے سے اجتناب کریں۔

۵۔موجودہ دور کے گمراہ فرقے: غامدی، الھُدیٰ انٹرنیشنل (ڈاکٹر فرحت ہاشمی) ذاکر نائیک وغیرہ:

جاوید احمد غامدی:

ٹی وی پروگرام سے شہرت پانے والے جاوید احمد غامدی دین وشریعت کے ہر مسئلہ کو اپنی عقل کی میزان پر تولتے ہیں اور اُن کی عقل میں جو مسئلہ نہیں آتا اُس کا انکار کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ موصوف سزائے اِرتداد (مرتد کی سزا)، اجماعِ امت اور حدیث کے منکر ہیں۔ جاوید احمد غامدی کے کفریہ عقائد کی تفصیل جاننے کے لئے جامعہ بنوریہ کراچی کی ویب سائٹ پر ''مسئلہ تکفیر اور غامدی فکر و سوچ!'' کا مضمون دیکھنے کے قابل ہے۔

الھُدیٰ انٹرنیشنل (ڈاکٹر فرحت ہاشمی):

الھُدیٰ انٹرنیشنل کی بانی ڈاکٹر فرحت ہاشمی ہے جو کہ ایک انتہائی گمراہ عورت ہے۔ یہ دین کی تعلیم کے نام پر عورتوں میں بے پردگی، خود رائی اور دین سے دوری پھیلا رہی ہے۔ اس کے بارے میں ہمارے علمائے کرام نے گمراہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنے فتویٰ میں فرماتے ہیں:

''جو شخص یا ادارہ مذکورہ بالا نظریات (فرحت ہاشمی کے خیالات ونظریات) رکھتا ہو، اور اس کی تعلیم کرتا ہو، وہ نہ یہ کہ بہت سے گمراہانہ، گمراہ کن یا فتنہ انگیز نظریات کا حامل ہے، بلکہ اس سے مسلمانوں کے درمیان اِفتراق وانتشار پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہے، اور اگر کوئی شخص سہولتوں کی لالچ

میں اس قسم کی کوششوں سے دین کے قریب آئے گا بھی تو مذکورہ بالا فاسد نظریات کے نتیجے میں گمراہی کا شکار ہوگا، لہٰذا جو ادارہ یا شخصیت ان نظریات کی حامل اور مبلغ ہو، اور اپنے دروس میں اِس قسم کی ذہن سازی کرتی ہو، اُس کے درس میں شرکت کرنا اور اُس کی دعوت دینا، اِن نظریات کی تائید ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔''

تفصیلی فتویٰ کے لئے دیکھئے فتاویٰ عثمانی۔ (جلد اوّل، کتاب الایمان والعقائد صفحہ ۸۶، فتویٰ نمبرا/۴۸۶)

ڈاکٹر ذاکر نائیک:

ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب تقابلِ ادیان یعنی اسلام کا عیسائیت، یہودیت اور دوسرے مذاہب کے ساتھ مقابلے کے مضمون کے ماہر ہیں۔ اس کے علاوہ وہ سوادِ اعظم کو چھوڑ کر اہلِ حدیث یا غیر مقلد گروہ کے نمائندہ ہیں جو کہ اُمتِ مسلمہ کا صرف دو فیصد ہیں، اس لئے تقابلِ ادیان کے علاوہ باقی دینی ترتیب میں رہنمائی کے لئے معیاری شخصیت نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں تو سوادِ اعظم کی ترتیب ہی کامیاب ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم ایک جگہ تو اختلاف کو رحمت کہتے ہیں اور دوسری جگہ پر گمراہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اختلاف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اصولی (نظریاتی) اختلاف اور دوسرا فروعی (اجتہادی یا دینی مسائل میں) اختلاف۔ اصول 'جڑ' یا 'بنیاد' کو کہتے ہیں جبکہ فروع 'شاخ' کو کہتے ہیں۔ ائمہ کرام کا باہمی اختلاف فروعی اختلاف ہے جو کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی رہا تھا اور اس اختلاف کو رحمت قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں ہم دو حدیثیں پیش کر چکے ہیں۔ اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ جس عالم سے اعتقاد ہو دینی مسائل میں اس کی پیروی کی جائے اور باقی بزرگوں کے بارے میں احترام کو ملحوظ رکھا جائے جبکہ نظریاتی اختلاف کو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے اس اختلاف کی پیشنگوئی بھی فرمائی تھی اور اس میں حق و باطل کو جانچنے

کا معیار بھی مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''بنواسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹے تھے، اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹے گی، یہ سب کے سب سوائے ایک کے جہنم میں جائیں گے۔ عرض کیا گیا: ''یارسول اللہ! یہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے؟'' فرمایا: ''جو لوگ اُس راستے پر قائم رہیں گے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔''

(مشکوٰۃ شریف، بحوالہ اختلاف امت اور صراطِ مستقیم)

یہاں پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض لوگ اپنی کم علمی کی وجہ سے ان ۷۳ فرقوں کے اختلاف کو فروعی اختلاف سمجھتے ہیں اسی وجہ سے وہ مدارس، سلاسل تصوف، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، جہاد اور سیاست جیسے دینی نشر و اشاعت کے اداروں کو بھی الگ الگ فرقے سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دین کی اشاعت و ترویج کے مختلف شعبے ہیں اور سارے کے سارے حق پر ہیں۔

اس کے علاوہ علمائے کرام کے بعض دینی مسائل میں اِختلاف کو دیکھ کر لوگ کہتے ہیں کہ ان علما کے آپس کے اختلاف نے عوام کو بہت نقصان پہنچایا ہے، آخر ہم کس کی بات مانیں اور کس کی بات کو رد کریں۔ اس بات کی وضاحت تو اس مضمون میں حتی الوسع کردی گئی ہے کہ ہم کس کی مانیں اور کس کا انکار کریں تاہم دینی مسائل میں اختلاف کو بہانہ بنا کر علمائے کرام پر لعن طعن کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں کیونکہ اختلافِ رائے کچھ صرف علما تک محدود نہیں بلکہ ڈاکٹروں اور وکلا وغیرہ کی رائے میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ لیکن اس اختلاف کو بنیاد بنا کر کوئی شخص علاج کرانا نہیں چھوڑتا، کوئی مقدمہ کرنے سے نہیں رُکتا۔ پھر صرف علما کے اختلاف کو بہانہ بنا کر دین پر عمل کیوں چھوڑ دیا جاتا ہے؟ عام لوگ صرف اتنا کریں کہ جس عالم کو وہ اچھا سمجھتے ہیں، متبع سنت سمجھتے ہیں اس کے قول پر عمل کریں اور دوسروں پر بے مقصد لعن طعن نہ کریں۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَاالْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ

اللہ تعالیٰ ہمیں حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

استادِ محترم، پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، زینتِ فقراءِ نقشبندیہ

جناب حضرت مولانا عبدالحی صاحب دامت برکاتہٗ کو صدمہ

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

حضرت والا! اس نوے سال کے لگ بھگ عمر میں آپ کو اپنے جواں سال فرزندِ ارجمند کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ واقعی جانکاہ صدمہ ہے۔ جناب حضرت مولانا حافظ قاری حاجی عبدالرشید صاحب آپ کی آنکھ کے تارے تو تھے ہی لیکن صرف آپ کی آنکھ کے تارے نہیں تھے بلکہ ہم سب کے دُلارے تھے۔ آپ کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کے لحنِ داؤدی کے زمزمے تو دل و دماغ پر ایک حسین یاد کی طرح ثبت تھے ہی لیکن آپ کے بعد قاری صاحب کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازیں بھی ایک خاص اور پورا اثر ہمارے باطن میں مرتب کی ہوئی ہیں۔ آپ نے ان کے بارے میں اپنے سارے دینی ارمان پورے کیے۔ دنیاوی تعلیم کے بعد عالم بنایا، حافظ اور قاری بنایا، حج اور عمرے کی سعادتوں سے سرفراز فرمایا۔ اتنا کچھ ہی انسان کر سکتا ہے۔ اللہ کے احسان سے عبدالرشید صاحب نے ایک عرصۂ دراز ہمارے سامنے گزارا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تقویٰ و طہارت والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائی۔ دنیا سے تو سب نے گزر جانا ہے لیکن جس سرمائے کو لے کر عبدالرشید صاحب دنیا سے گزرے وہ آخرت کا عظیم سرمایہ ہے۔ اس غم کو برداشت کرنے کا جو اجر آپ کو ملا اس کی قیمت کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ مزید یہ کہ حضرت قاری صاحب صرف آپ کے لئے نہیں بلکہ ہم سب کے لئے مغفرت کا سرمایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

مکتوبِ چترال

(مندرجہ ذیل خط ایک دردمند اور دانشور بھائی کی طرف سے موصول ہوا۔ بندہ نے چترال کے رہنے والے پروفیسر ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب کو جواب دینے کا کہا۔ خط اور جواب دونوں یکجا شائع کئے جارہے ہیں۔ مدیر)

....

محترم جناب ڈاکٹر حاجی فدا محمد صاحب

السلام علیکم!

آپ کی توجہ چترال میں ایک مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو کہ چترال کے حالیہ دورے کے دوران میرے نوٹس میں لایا گیا۔ چترال میں اسماعیلی فرقہ کی آبادی 30% اور سنی مسلمانوں کی آبادی 67% ہے جبکہ کلاش 3% ہیں۔ اس تناسب کے برعکس وہاں سے دونوں MPA (ممبر صوبائی اسمبلی) اسماعیلی فرقے سے منتخب ہوئے ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ سردار حسین ۲۔ سلیم خان

نتیجتاً وہاں پر ملازمتوں میں 100 میں سے 48 سیٹیں اسماعیلیوں کو اور 44 سیٹیں مسلمانوں کو دی گئی ہیں۔ بقایا 8 سیٹیں کلاش کیلئے مختص ہیں۔ بجائے اس کے کہ اسماعیلیوں کو اقلیت قرار دیا جاتا، رفتہ رفتہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اُن کو سُنی مسلمانوں پر حاوی کیا جارہا ہے۔ جبکہ معاشی طور پر وہ پہلے سے خاصے مضبوط ہیں۔

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سازش کیخلاف مناسب فورم پر آواز اٹھائی جائے بیشتر اس کے کہ یہ فتنہ کنٹرول سے باہر ہوجائے۔

والسلام

آپ کا مخلص

ڈاکٹر محمد اقبال سیال

فون نمبر: 0333 912 1433

جواب

(جناب فضل الرحمان صاحب، ایسوسیئیٹ پروفیسر شعبۂ جغرافیہ، پشاور یونیورسٹی)

ضلع چترال پاکستان کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ رقبے کے لحاظ سے یہ خیبر پختونخوا صوبے کا سب سے بڑا ضلع ہے۔ طبعی خدوخال اور آب وہوا کی وجہ سے اس ضلع کا صرف دو فیصد رقبہ زیرِ کاشت ہے۔

انتظامی لحاظ سے ضلع چترال کو دو تحصیلوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو کہ تحصیل چترال اور تحصیل مستوج ہیں۔ تحصیل مستوج تو کھو، موڑکھو، یارخون، لاسپور اور اویر کی وادیوں پر مشتمل ہے جبکہ تحصیل چترال لوٹ کھو (گرم چشمہ) چترال، شِشی کوہ، دروش، ارندو، بمبوریت اور رمبور کی وادیوں کا مجموعہ ہے۔

۱۹۹۸ء کی مردم شماری کے مطابق چترال کی کل آبادی تین لاکھ نفوس سے کچھ زیادہ تھی۔ ان لوگوں کا تعلق تین مختلف مذاہب سے ہے، جن میں سنی 67 فیصد، اسماعیلی 30 فیصد اور کلاش قبیلے کا تناسب ایک فیصد سے کم ہے۔ ان مذہبی گروہوں کی علاقائی تقسیم کافی دلچسپ ہے۔ کلاش قبیلہ تحصیل چترال کی دو وادیوں بمبوریت اور رمبور میں محدود ہے، جن کو عام لوگ کافرستان بھی کہتے ہیں۔ تحصیل چترال کی وادی لوٹ کھو میں اسماعیلی فرقے کی غالب اکثریت ہے۔ اس کے علاوہ یہ فرقہ شِشی کوہ کے بالائی علاقہ میں بھی رہتا ہے۔

تحصیل مستوج کی کچھ وادیوں میں اسماعیلی فرقے کی اکثریت ہے۔ جیسے کہ لاسپور، یارخون اور مستوج جبکہ تورکھو، موڑکھو اور اویر کی وادیوں میں سنی اکثریت سے ہیں۔ ضلع چترال میں قومی اسمبلی کی ایک نشست ہے اور صوبائی اسمبلی کی دو نشستیں ہیں۔

۲۰۱۳ء کے انتخابات میں دونوں نشستیں اسماعیلی فرقے والوں نے جیتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ مذہبی سیاسی پارٹیوں کے مابین ہم آہنگی اور اتحاد کا فقدان ہے۔ ان عام انتخابات میں

ساری مذہبی پارٹیوں نے اپنے اپنے امیدوار کھڑے کیئے تھے۔ اس کے علاوہ دوسری سیاسی پارٹیوں کے امیدوار بھی سنی تھے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ سُنیوں کے ووٹ تقسیم ہو گئے اور اسماعیلی اقلیتی فرقے نے میدان مار لیا۔

چترال۔1

سلیم خان (موجودہ ایم پی اے، اسماعیلی)	حاصل کردہ ووٹ =	11310
مسلم لیگ 'ن'	=	10234

مذہبی جماعتوں کے امیدوار:

۱۔	جمعیت علمائے اسلام	= 9948
۲۔	متحدہ دینی محاذ	= 1012
۳۔	جماعت اسلامی	= 6923
	مذہبی جماعتوں کے کل ووٹ	= 17883

چترال۔2

سردار حسین (موجودہ ایم پی اے، اسماعیلی)	حاصل کردہ ووٹ =	11000
مسلم لیگ 'ن'	=	10960

مذہبی جماعتوں کے امیدوار

۱۔	جمعیت علمائے اسلام	= 9274
۲۔	متحدہ دینی محاذ	= 1681
۳۔	جماعت اسلامی	= 3000
	مذہبی جماعتوں کے کل ووٹ	= 13955

یہ ہی جمہوریت ہے جس میں اقلیتی فرقہ اکثریتی فرقے پر حکومت کرتا ہے اور سادہ لوح سیاسی پارٹیوں کا انجام اسی طرح ہوتا ہے۔

سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

ملفوظاتِ شیخ۔ ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ (قسط۔۶۶)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

قرآن کی حفاظت:

فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اس طرح ہوا کہ ایک محاذ پر دو لشکر اکٹھے ہوئے۔ مثال کے طور پر آپ سمجھیں کہ ایک لشکر وزیرستان، بنوں کے علاقے کا ہو اور دوسرے لشکر میں مردان، چارسدہ، صوابی کے علاقے کے لوگ ہوں، تو بالفرض وزیرستان والا نماز پڑھانے کے لئے آگے ہوا اور اُس نے جو اپنے Accent (لہجہ) میں تلاوت کی تو دونوں علاقوں کی قرأت میں بڑا فرق ہے۔ وہ 'غوخہ' (یعنی گوشت) کو 'غوشہ' کہتے ہیں۔ اور بھی بڑے فرق ہیں۔ کوئی ایک جملہ کوئی بولے وزیرستان والا ''تُو سے نن مڑے بہ دِلے خری ئے''(یعنی آپ آج یہاں کھانا کھائیں گے) جبکہ پشاور، مردان کی پشتو میں کہتے ہیں: ''تا سو نن روٹے بہ دِلتہ خورئے'' اور مروت اگر ہوں تو کہتے ہیں: ''چائے چشے؟'' (یعنی چائے پیو گے؟) جبکہ پشاور، مردان کی پشتو میں کہتے ہیں: ''چائے بہ سکَے؟'' تو وزیرستان والوں نے نماز پڑھائی، سلام پھیرا تو پیچھے دوسرے علاقے والے تلواریں لے کر آگے آگئے۔ انہوں نے کہا: ''یہ تم نے کیا پڑھا ہے؟'' تم نے قرآن کو بگاڑنے کی کوشش کی ہے اور تم ہمارے ہوتے ہوئے قرآن مجید کو تبدیل کر رہے ہو۔ تو انہوں نے کہا: ''بھائی یہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک کہا ہوا ہے، مانا ہوا ہے، اس لئے ہم نے پڑھا۔'' پر بات بڑھ گئی، یہاں تک کہ کشت و خون ہو رہا تھا کہ بڑے بوڑھے آگے آئے اور انہوں نے کہا کہ آپ خاموش ہو جائیں، امیر المؤمنین سے فیصلہ کروائیں گے۔ خیر جھگڑا ختم ہوا، لشکر واپس آیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تذکرہ ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ اوہو! واقعی اسلام تو اتنا پھیل گیا ہے، ایسے نئے نئے لوگ آ رہے ہیں، ان باتوں کی معلومات تو لوگوں کو نہیں ہیں، اب کیا کریں؟ انہوں نے کہا کہ اب تو یہ کرنا ہوگا کہ ایک ہی قرأت پر اُمت کو جمع کرنا ہوگا۔ تو اب ساری اُمت کی قرآن مجید پڑھنے کی ایک

ہی قرأت ہے۔طٰهٰ، مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى اوروَالضُّحٰى، وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى، مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰى... دوسری قرأت میں اس کوطے ھے ما انزلنا عليك القرٰنَ لتشقے اور وضحے والليلِ اذا سجے ما ودعك ربك و ما قلے پڑھا جاتا ہے۔اس کوقرأتِ امالہ کہتے ہیں۔اسی طرح ایک قرأت میں ولا تَقربَا پڑھتے ہیں اوردوسری قرأت میں ولا تِقربَا پڑھتے ہیں۔ایک قرأت ہے جس میں اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی جگہ مَلِكِ يَوْمِ الدِّين پڑھتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک عرب ہمارے ساتھ جماعت میں تھا، وہ بیان کررہا تھااور مجھے ترجمہ کرنے کیلئے کھڑا کیا ہوا تھا۔اُس نے کہا: ’عزوزہ‘ میں نے سوچایااللہ! ’عزوزہ‘ کا کیا معنیٰ ہے؟ مجھے تواس کا پتہ نہیں۔میں نے کہا پھر کہو!اس نے کہا: ’عزوزہ‘، میں نے کہا پتہ نہیں کیا کہہ رہا ہےتو پھراس نے اِشارہ کیا کہ ایسی ایک عورت ہو،اس کی ہڈیاں اور چمڑی رہ گئی ہو،تو میں نے جب کہا: ’عجوزہ؟‘اس نے کہاہاں، ہاں! ’عجوزہ‘ بوڑھی عورت کو کہتے ہیں۔اس طرح کے تلفظ کے فرق اُردو، پنجابی، پشتو ساری زبانوں میں ہوتے ہیں۔ اس لئے بڑی عمر کے لوگوں کے لئے دوسرے لہجے اور تلفظ (Accent & Pronounciation) میں بولنا بہت مشکل ہوتا ہے۔اس عمر کے لوگوں کی درخواست پر ہی آپ ﷺ نے ہر قبیلے کو اپنے تلفظ اور لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سارے ریکارڈ کو پھر نکالا۔زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے پھر سارے کا دوبارہ موازنہ (Tally) کیا،اسی ترتیب پر دو گواہوں کے ساتھ اور سب کچھ کر کے پھرایک قرأت روایتِ حفص اورایک رسم الخط کے مطابق لکھوایااوراس کی تلاوت کوحکومتی مراسلہ (State Order) کے ذریعے سے چالو کرایااور باقی سب کو بند کرادیا۔آج کل جو ہم پڑھتے ہیں یہ روایتِ حفص ہےاور ایک روایت امام عاصمؒ کی ہے۔اس طرح سات روایتیں ہیں ان میں سے بعض روایتوں کی مزید شاخیں ہیں جن کی وجہ سے دس بن جاتی ہیں،اس لئے ان ساری روایتوں کو’سبعہ عشرہ‘ کہتے ہیں۔

یہ روایتیں آج تک موجود ہیں اور سبعہ عشرہ کے قاری حضرات سب کو جانتے ہیں اور سب کو پڑھ سکتے ہیں۔ بعد کے دور میں تُرک لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے بڑے بوڑھے، جن کی عمریں چالیس سال سے اُوپر ہوگئی تھیں، بہت بھی کوشش کریں وہ 'ک' نہیں پڑھ سکتے تھے۔ 'ک' کو 'چ' پڑھتے ہیں۔ اکابرینِ دیوبند گئے ہوئے تھے حج پر تو وہاں اتفاقاً ایسے وقت پر پہنچے کہ جماعت ہوگئی تھی اور ایک ترک جماعت ثانی کرا رہا تھا، اس نے پڑھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، اِیَّاچَ نعبُدُ وَاِیَّاچَ نَسْتَعِیْن تو پیچھے اکابرینِ دیوبند نے نماز پڑھی اور نماز کے بعد باقی حضرات نماز دُہرانے لگ گئے جب کہ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں دہرائی۔ ان سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی ہے، انہوں نے کہا کہ سَبْعَة احرف پر جو قرآن کو پڑھنا جائز قرار دیا گیا ہے تو اس میں ایک یہ بھی ہے۔ اس قوم کی مجبوری ہے لہٰذا اُن کے لئے جائز ہے۔ جاپان والے 'ل' کو 'ر' پڑھتے ہیں: ارحمدُ رِرّٰہِ رَبِّ الرعارَمین الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مٰارِکِ یَوْمِ الدِّیْن۔ وہ لوگ 'ل' نہیں پڑھ سکتے۔ تو اس کی قیامت تک گنجائش رہے گی، جو قوم بھی آئے گی تو اس کے لئے "سبعة احرف" کی گنجائش ہمارے پاس ہوگی۔ اس کا شریعت میں پورا بندوبست (Provision) ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے روایتِ حفص کے مطابق قرآن پاک کے نسخے بنائے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ سات نسخے بنائے۔ سات بڑی بڑی ولایتیں جو ان کی تھیں ان میں ایک ایک نسخہ بھیجا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے جو نسخے ہیں ان میں سے اس وقت دو موجود ہیں۔ ایک استنبول کے توپ کاپے کے عجائب خانہ میں ہے اور ایک تاشقند میں ہے۔ جب روسی انقلاب آیا ہے اس وقت کسی طریقے سے ان کے ہاتھ لگا ہے اور اس کو انہوں نے وہاں رکھا ہوا ہے۔ تاشقند والا وہ ہے جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود تلاوت کر رہے تھے اس پر ان کا شہید ہوتے وقت خون بھی گرا ہے فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم پر ان کا خون گرا ہے۔ ہمارے حضرت مولانا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی فوٹو کاپی منگوائی تھی تو اس کو ہم نے بھی دیکھا، اس جگہ کو بھی دیکھا جہاں ان کے خون کے دھبے تھے۔

اوزار اور منصوبہ بندی سے آپ دس گنا زیادہ کام کرسکتے ھیں:

فرمایا کہ گندم پھیلائی ہوئی تھی خشک کرنے کے لئے، ہم ایک صبح اس گندم کو جمع کرر ہے تھے کیونکہ بارش کا خطرہ ہو گیا تھا۔ میں بھی جمع کرر ہا تھا اور ساتھی بھی کرر ہے تھے، وقت تھوڑا تھا اور کام زیادہ تھا، میں نے سوچا اب کیا کریں؟ میں نے دو گھسیٹنے والی چیزیں ڈھونڈ نکالیں جسے آپ لوگ وائپر (Viper) کہتے ہیں۔ دو وائپر کو ہم نے فرش پر گھسیٹا تو زیادہ کام ہو گیا، دوسرے ساتھیوں کو بھی سمجھ آ گئی۔ ایک نے خود سوچا اور اس نے بوری کو سمیٹ کر رکھا اور پیچھے سے زور دینے لگا۔ کھینچنے پر دو گنا قوت لگتی ہے اور دھکیلنے پر آدھی لگتی ہے، Push پر آدھی ہے اور Pull پر ڈبل ہے۔ تو کام تھوڑی دیر میں ہم نے ختم کرلیا۔ میں نے اُن سے کہا برخوردار! یہ منصوبہ بندی اور اوزار ہیں، ان سے آپ دس گنا زیادہ کام کر سکتے ہیں بلکہ بیس گنا بھی کام کر سکتے ہیں، منصوبہ بندی سے اور اوزار سے قوت دس گنا، بیس گنا زیادہ ہوسکتی ہے۔

ہمارا انجینئرنگ کے اوزاروں کے ساتھ کیا کام ہے، ہم اپنے اوزاروں کی بات کرتے ہیں۔ اللہ کے قرب میں بھی ایک چلنا خود سے ہے، کہ انسان نے سوچا اور اس کے ذہن میں منصوبہ آیا کہ میں یہ دینی کام کروں یا وہ دینی کام کروں، یہ اس کی اپنی سوچ ہے۔ جبکہ ایک طریقہ ہے منصوبہ بندی کے تحت کرنا یعنی سمجھدار لوگوں سے پوچھنا، منصوبہ بندی کرنا کہ کس وقت کیا کام کرنے کا زیادہ فائدہ ہے۔ اس سے آدمی کی کارکردگی بہت بڑھ جاتی ہے اور منزل بہت آسان ہو جاتی ہے، فائدہ بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔

محققین کا یہ کمال ہوتا ہے کہ خود پا لیتے ہیں، خود پا نہ سکیں تو اوروں سے مدد لیتے ہیں۔ پوچھتے ہیں ان سے مشورہ کرتے ہیں تو اس سے اللہ تعالیٰ تحقیقی بات تک ان کو پہنچا دیتا ہے جس کے نتیجے میں توانائی اور قوت تھوڑی لگتی ہے اور کام بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ ایک اَن پڑھ جاہل آدمی کا ایک اہلِ علم کے ساتھ کام کرنا ایسا ہے گویا اس کے پاس اوزار آ گئے ہیں۔ پھر اگر اللہ پاک اس کو توفیق

دیدے، بصیرت والے مشائخ کے ساتھ اس کا ساتھ ہو گیا تو گویا اس کو منصوبہ بندی ہاتھ آ گئی، اب تو یہ ایسی ترتیب سے کام کر رہا ہے کہ جس سے بے اندازہ اور بے پناہ فائدہ ہو رہا ہے۔

بیعت کوئی بجلی کا کرنٹ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ادارے میں داخلہ ہے:

فرمایا کہ ہمارا خیال ہوتا ہے کہ بیعت کہیں بجلی کا کرنٹ ہے بس ہاتھ میں ہاتھ دیا، کرنٹ لگ گیا اور اس سے تربیلا والی بجلی چالو ہو گئی۔ بیعت کرنٹ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ادارے میں داخلہ ہے۔ داخل ہونے کے بعد پھر آدمی بیٹھ نہیں جاتا، نصاب پڑھتا ہے، سمجھتا ہے، سیکھتا ہے، کوشش کرتا ہے، امتحان دیتا ہے۔ کبھی پاس ہوتا ہے، کبھی فیل ہوتا ہے، فیل ہو تو دوبارہ کوشش کرتا ہے، پھر پوچھتا ہے، کوتاہیوں کو درست کرتا ہے یہاں تک کہ کرتے کرتے منزل پوری ہو جاتی ہے۔ ڈگری اس کے ہاتھ میں آجاتی ہے اور اگر داخلہ تو لیا ہوا ہو میڈیکل کالج میں اور پھر رہا ہو بازاروں میں، کر رہا ہو جلسے جلوس اور طالب علم رہنما بنا ہوا ہو، پانچ سال کے بعد باقی بھی فارغ ہوئے یہ بھی کچھ جھوٹ، سچ کر کے فارغ ہو گیا، اب انجکشن لگانے سے یہ بھاگے گا کہ رَگ کا انجکشن لگانا ہے، گوشت کا انجکشن لگانا ہے، اس سے بھاگ رہا ہے اور مریض کی تشخیص کرنی ہے، اس سے بھاگ رہا ہے، بلڈ پریشر چیک کرنا ہے، اس سے چُھپ رہا ہے کیونکہ اس نے داخلہ تو لیا تھا لیکن محنت کر کے سیکھا نہیں۔

ہمارے ایک دوست نے لطیفہ سنایا کہ یہ جو ہوائی فائر والی بندوق ہوتی ہے، آگے غبارے لگائے ہوتے ہیں اور آدمی فائر کر رہا ہوتا ہے، اس کے پاس ایک صاحب آ گیا دو پھولوں والا (Sub-Inspector Police)، اس کو بھی شوق ہو گیا، اس نے وہ بندوق لی، ایک ڈز کیا خطا ہو گیا، دوسرا ڈز کیا خطا ہو گیا، تیسرا کیا خطا ہو گیا، اس کے پاس جو آدمی کھڑا تھا اس کو بڑی حیرانی ہوئی کہ پولیس کا دو پھولوں والا آدمی ہے، حکومت نے معاشرے کی حفاظت کے لئے رکھا ہوا ہے اور تین ڈز اس نے خطا کر لئے۔ تو اس نے اس پولیس والے سے پوچھا ”خان دا سنگه چل دے؟“ کہ خان یہ کیسی بات ہے؟ اس نے بتایا کہ ”زه اصل کښې پولیس کښې ومه خو بینډ کښې پاتې شوے ومه “

کہ میں پولیس میں تو تھا لیکن بینڈ میں رہا ہوں۔ ڈھول باجے بجاتا رہا ہوں، ڈز نہیں کیا۔ تو صرف پولیس کے دو پھول لگالئے تو اس کے نتیجے میں تو آدمی کو پولیس کی مہارت نہیں ہوگئی کہ فائر اس کا ٹھیک ہو رہا ہو، ملزم کو پہچان رہا ہو، پکڑنے کی منصوبہ بندی اس کو ساری آتی ہو۔ یہ تو جُدا چیزیں ہیں۔ اگرچہ پولیس میں ضرور تھا لیکن رہا وہ بینڈ والوں میں تھا۔ ایسے ہی ہمارا بھی داخلہ بیعت کرکے ہوتا ہے لیکن داخلہ برکت والا ہوتا ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ آدمی کے ذہن میں اتنا ہو کہ میں بھی بیعت ہوں تو کچھ نہ کچھ فائدہ سلسلے کی دُعاؤں کا اس کو بھی پہنچتا رہتا ہے۔

مزاج میں چڑچڑے پن کو دُور کرنے کے لئے معمولات کو اعتدال پر لانا ضروری ہوتا ہے:

فرمایا کہ احیاء العلوم کا درس ہو رہا تھا، اس میں لکھا تھا کہ جو آدمی کام پر جائے تو عقل کو ساتھ لے کر جائے، اس سے مراد یہ ہے کہ کھانا کھا کر جائے۔ اس بات کو ڈاکٹر صاحبان سمجھتے ہیں کہ جب خون میں شکر کی مقدار (Blood Glucose Level) کم ہو جاتی ہے تو آدمی چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ بھوک کی وجہ سے خون میں شکر کی مقدار کم ہو جاتی ہے اور آدمی چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ جب آدمی چڑچڑا ہو جاتا ہے تو اس سے جھگڑے کا خطرہ ہوتا ہے، لوگوں کی دل آزاری کا خطرہ ہوتا ہے جس سے اُس کا آخرت کا نقصان ہوتا ہے اور دُنیا کے لحاظ سے بھی اُس کو نقصان ہو جاتا ہے۔ نجی کمپنیاں (Private Companies) جب کام پر رکھنے کے لئے آدمی کا انتخاب کرتی ہیں تو اس کی قابلیت کے علاوہ اس بات کو خاص طور پر مدِ نظر رکھتی ہیں کہ آدمی ہنس مکھ ہو، شخصیت (Personality) خوشگوار ہو، ناگوار نہ ہو، اور جو آدمی ہنس مکھ نہ ہو اور بات کرتے ہوئے منہ بگھاڑ رہا ہو، ماتھے پر بَل ہوں تو اس کو نکال باہر کیا جاتا ہے اور کام پر نہیں رکھا جاتا۔ یہاں تک احتیاط کرنی چاہئے کہ اگر کثرتِ نوافل اور عبادات سے آدمی کا مزاج چڑچڑا ہو جائے تو اس کو اپنے معمولات میں کمی کرنی چاہئے۔ کم سونے سے مزاج چڑچڑا ہو گیا اور بہت نوافل سے، بہت ذکر سے مزاج چڑچڑا ہو گیا تو اس چڑچڑے پن کو دُور

کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور اس کے لئے معمولات کو اعتدال پر لانا ضروری ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہوا ہے کہ جب بہت سخت نیند آئے تو سو جانا چاہیئے۔ ایک آدمی کثرت سے عبادت میں لگ جانے سے کمائی کرنے سے رہ جائے، بیوی بچوں کے حقوق پورے کرنے سے رہ جائے تو نوافل میں اتنی کثرت پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ اب اس سے دوسری ضروری باتوں پر اثر آرہا ہے۔ شیطان تو بہت کمال کرتا ہے، اس کے مختلف محاذ ہوتے ہیں۔ ایک محاذ پر کام کرتا ہے، جب اُس کے متعلق بندے کو آگاہی ہو جاتی ہے اور اُس کی اصلاح ہو جاتی ہے تو دوسرے محاذ پر آ جاتا ہے۔

غیر مسلموں کے کفر سے نفرت ہونی چاهئے، انهیں خود سے افضل سمجهنا چاهئے اور ان کے لئے دل میں هدایت کی چاهت هو:

فرمایا کہ پہلے زمانے میں ہمارے چشتیہ سلسلے میں ذِکر اذکار نہیں بتاتے تھے۔ آنے والے آدمی کو پہلے کچھ دن جھاڑو دینا ہوتا تھا، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانی ہوتی تھیں، پانی بھرنا ہوتا تھا اور ڈانٹ ڈپٹ سنی ہوتی تھی۔ جب آدمی کے باطن کی صفائی ہوتی تھی پھر ذِکر اذکار بتاتے تھے۔ جوں ہی ذِکر اذکار بتاتے تھے تو آدمی جہاز کی رفتار سے ترقی کر کے واصل الی اللّٰہ ہو جاتا تھا۔ ہر ایک کو اپنے آپ سے افضل سمجھنا ہوگا۔ ہمارے ایک برخوردار نے اپنا حال بیان کیا کہ غیر مسلموں کو دیکھ کر بہت غصہ آتا ہے اور طبیعت چڑتی ہے۔ تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ غیر مسلموں کے کفر سے نفرت ہونی چاہیئے اور انہیں اپنے سے افضل سمجھنا چاہیئے کیونکہ خاتمے کا کسی کو پتہ نہیں کہ کس حال میں ہو۔ غیر مسلموں کی تکلیف پر دُکھ بھی محسوس کرنا چاہیئے، وہ بھوکا ہو، تکلیف میں ہو، بیمار ہو تو اس کی تکلیف کو محسوس کرنا چاہیئے کہ یہ میرے اللہ کا بندہ ہے۔ سُبحان اللّٰہ! اس کے کفر سے نفرت ہو، اس کو اپنے سے افضل سمجھے اور اُس کے لئے دل میں ہدایت کی چاہت ہو۔ جس طرح آدمی کو اچھا کھانے کی، اچھا پہننے کی چاہت ہوتی ہے اسی طرح حضور ﷺ کے دل کا ارمان اور چاہت ہے اہلِ کفر کو ایمان ملنا، کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایمان نصیب فرمائے۔ ہمارے نعت خوان صاحب پڑھا کرتے تھے:

(باقی صفحہ نمبر ے پر)

محدثِ کبیر، مفتیٔ اعظم، مفتی محمد فرید صاحب قدس سرہٗ کی یاد میں

(مولانا ڈاکٹر عبید اللہ صاحب، خیبر میڈیکل کالج، پشاور)

مفتی محمد فرید صاحب زروبی ضلع صوابی کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد صاحب بہت بڑے عالمِ دین تھے۔ استادِ محترم مولانا محمد امین صاحب مدظلہٗ العالی مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن، چھوٹا لاہور، زروبی صوابی، مفتی محمد فرید صاحب قدس سرہٗ کے خادمِ خاص رہے ہیں۔ ان سے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور ان کے والد صاحب کے بارے میں باتیں وقتاً فوقتاً سنیں۔ ان میں سے جو باتیں یاد رہیں وہ قارئین کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

مفتی صاحب کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے کے لئے طلبا بہت آتے تھے۔ چنانچہ بعض طلبا کو پڑھانے کے لئے آپ کے نظام الاوقات میں وقت کی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ ایسے طلبا سے فرماتے تھے کہ جب میں گھاس کاٹنے کے لئے کھیتوں کی طرف جاؤں تو تم لوگ میرے ساتھ ساتھ چلو اور مجھے کتاب کی عبارت سناتے جاؤ، میں تشریح کرتا جاؤں گا۔ چنانچہ طلبا کھیت کی طرف جاتے آتے آپ کو عبارت سناتے تھے اور آپ تشریح فرماتے تھے۔ مفتی فرید صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ والد صاحب کھیتوں سے گھاس کا بہت بڑا گٹھڑ سر پر لائے اور جب گھر میں اس کو رکھا تو فرمایا: ''علامہ عبدالحیٔ لکھنوی اتنا بڑا گٹھڑ اُٹھا کر لائے پھر کتابیں لکھے تو میں بھی مان لوں گا۔'' مطالعہ میں انہماک بہت ہوتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ چراغ کی روشنی میں پڑھتے ہوئے چراغ سے آپ کی پگڑی کو آگ لگ گئی مگر آپ کو پتہ نہ چلا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے دیکھ کر جلدی سے پگڑی کو سر سے گرایا اور یوں آپ بچ گئے۔ استادِ محترم نے یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ الحمدللہ فقیر کسی (دوسرے عالم) سے متاثر نہیں

ہے البتہ مفتی محمد شفیع صاحب (کراچی والے) اور منظور نعمانی صاحب (لکھنؤ انڈیا والے) نے اچھا کام کیا ہے اور اگر میں کسی سے متاثر ہوتا تو ان دونوں سے ہوتا۔

استادِ محترم نے یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب کے پاس مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تصنیف کردہ احسن الفتاویٰ دیکھا (حالانکہ آپ اردو کے فتاویٰ کو دیکھنے کی حوصلہ افزائی نہیں فرماتے تھے) میں نے پوچھا کہ حضرت آپ اس کا مطالعہ فرماتے ہیں؟ اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہاں یہ آدمی بہت زیادہ فقیہ النفس ہے۔ واقعی ''قدرِ زر، زرگر شناسد، قدرِ جوہر، جوہری۔'' حضرت مفتی صاحب خود بہت بڑے مفتی تھے پھر وہ مفتی رشید احمد لدھیانوی نور اللہ مرقدہٗ کے شاگرد یا مرید نہ تھے بلکہ ان کے ہم عصر تھے، ان کی تعریف حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام اکابر کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائیں۔

استادِ محترم سے یہ بھی سنا کہ مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مولوی دین کا چوکیدار ہے لہٰذا جو کوئی بھی غیر معیاری کام کرے گا یا نامناسب بات کرے گا تو مولوی صاحب شور مچائے گا کہ ''او بھائیو! چور ہے، چور ہے'' اور یہ بھی فرماتے تھے کہ تبلیغی جماعت والے بھی اگر کوئی غیر معیاری بات بولیں گے تو مولوی صاحب چپ نہیں رہے گا بلکہ اس بات کی اصلاح کرے گا۔ مفتی صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک مرتبہ شیخ محمد طاہر پنج پیری صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی برکت ہے کہ لوگوں میں دین عام ہوگیا۔ اس پر وہ بڑے خوش ہوئے۔ میں نے دل میں سوچا کہ دیکھو اپنی برکت تو مانتا ہے لیکن مشائخ اور بزرگوں کی برکت پر رد کرتا رہتا ہے اور اس کو شرک و بدعت کی حد تک لے جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

نمازیں

(قسط۔۴)

(قاضی فضل واحد صاحب)

نمازِ ظہر کے سنن و نوافل

ظہر کے فرائض سے پہلے والی چار رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں اور فرائض کے بعد پہلے دو رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں، پھر دو رکعتیں نفل ہیں۔

جس شخص نے ظہر کی پہلی چار رکعتیں سنت ابھی نہ پڑھی ہوں کہ جماعت کھڑی ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اب سنتیں شروع نہ کرے بلکہ جماعت میں شریک ہو جائے اور رہی ہوئی سنتیں فرائض کے بعد ادا کرے۔ اب فرائض کے بعد اسے اختیار ہے چاہے دو رکعت سنت پہلے پڑھے یا چار رکعت سنت پہلے پڑھے لیکن دو رکعت پہلے پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

اگر کوئی شخص ظہر کی پہلی چار سنتیں پڑھ رہا ہو، اسی دوران جماعت کھڑی ہو جائے تو اب اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اگر تیسری یا چوتھی رکعت میں ہو تو چار رکعتیں مکمل کر کے جماعت میں شریک ہو اور اگر پہلی یا دوسری رکعت میں ہے تو پھر دو رکعتیں مکمل کر کے سلام پھیر دے۔ یہ دو رکعت نفل ہو جائیں گے اور چار سنتیں فرائض کے بعد دوبارہ پڑھنی ہوں گی۔ (شامی جلد ۱ صفحہ ۹۳،۹۴)

فضائل سنن و نوافل نماز ظہر:

حضور ﷺ کی زوجہ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چار رکعات ظہر سے پہلے اور چار رکعات ظہر کے بعد پڑھنے کی پابندی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ پر حرام فرما دیں گے۔ (ابوداؤد ج ۱، ص ۱۸۷، ترمذی ج ۱، ص ۹۸)

فائدہ: ظہر سے پہلے کی چار رکعات سنت مؤکدہ ہیں اور بعد کی چار رکعات میں پہلی دو رکعات سنت مؤکدہ ہیں اور دوسری دو رکعات نفل ہیں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (ترمذی ج ۱، ص ۹۶)

حضرت اُمِ حبیبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندۂ مومن ظہر کے بعد چار رکعات (دو سنت دو نفل) پڑھتا ہے اسے اِن شاء اللہ جہنم کی آگ کبھی نہیں چھوئے گی۔ (نسائی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں اور فجر سے پہلے دو رکعتیں (سنت) نہیں چھوڑتے تھے۔ (بخاری جلد ۱، صفحہ ۱۵۷)

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جن میں سلام نہیں ہے (یعنی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں ہے)، ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۸۷)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر سے پہلے کی چار رکعت اگر (فرائض سے) پہلے نہ پڑھی ہوتیں تو آپ ﷺ فرائض کے بعد انہیں ادا فرماتے۔

(ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۷)

نمازِ جمعہ کے سنن و نوافل

نمازِ جمعہ سے پہلے چار رکعات سنن مؤکدہ ہیں اور جمعہ کے فرائض کے بعد بھی چھ رکعات سنن مؤکدہ ہیں، دو رکعت ایک سلام سے اور چار رکعت ایک سلام سے۔

نمازِ جمعہ کے بعد والی چھ سنن میں دو رکعت پہلے پڑھیں یا چار رکعت دونوں طرح ہے۔

فضائل سنن و نوافل جمعہ:

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی جلد ۱، صفحہ ۱۱۷، ۱۱۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی

جمعہ کی نماز پڑھے تو اس کو چاہئے کہ اس کے بعد چار رکعت (سنت) پڑھے۔

(مسلم جلد ا صفحہ ۲۸۸، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۶۸)

حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نمازِ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی جلد ا صفحہ ۱۱۷، بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۸)

حضرت عطاءؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے نمازِ جمعہ کے بعد دو رکعتیں ادا فرمائیں، پھر اس کے بعد چار رکعات ادا فرمائیں۔

(ترمذی جلد ا صفحہ ۱۱۸، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۶۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جمعہ سے پہلے چار رکعات لمبی پڑھتے اور جمعہ کے بعد دو رکعت اپنے گھر میں پڑھتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ ایسے ہی فرمایا کرتے تھے۔ (ابوداؤد جلد ا، صفحہ ۱۶۷)

نماز عصر کی سنتیں

عصر کے فرائض سے پہلے چار رکعت سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ حضرت علیؓ سے ایک روایت منقول ہے جس میں دو رکعات کا بھی ذکر ہے۔ (ابوداؤد جلد ا)

رسول اللہ ﷺ نماز عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے۔ (ترمذی جلد ا بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

اگر جماعت میں وقت کم ہو تو دو رکعت پڑھ لی جائیں، ورنہ چار رکعتیں پڑھی جائیں۔

فضائل سنن عصر:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں اس شخص پر جو عصر سے پہلے چار رکعتیں (سنت) پڑھے۔

(ترمذی جلد ا صفحہ ۹۸، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۸۷ بحوالہ مجموعہ نفلی عبادات)

جس نے عصر سے پہلے چار رکعات پڑھیں اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کردے گا۔

(طبرانی بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

اسبابِ حسنِ خاتمہ:

(۱) ہمیشہ اپنے ایمان پر شکر ادا کرنا

(۲) اچھے لوگوں سے محبت رکھنا

(۳) کثرتِ تہلیل (لا الٰہ الاّ اللہ) واستغفار پڑھنا

(۴) قبلِ عصر چار نفل پڑھنا

(بحوالہ شوق وطن صفحہ ۱۱۷۔ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

نماز مغرب کے سنن ونوافل

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے۔

فکان یقول عجلو الرکعتین بعد المغرب فانھا ترفعان مع المکتوبۃ (مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۱۰۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرتے تھے کہ مغرب کے بعد دو رکعتوں کے پڑھنے میں جلدی کیا کرو اس لئے کہ وہ فرض نماز کے ساتھ ہی اٹھالی جاتی ہیں۔

مغرب کے فرائض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں، اس کے بعد دو رکعت نفل ہیں۔

فضائل سنن ونوافل مغرب:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد دو رکعتوں میں لمبی قرأت فرماتے یہاں تک کہ مسجد کے لوگ (گھروں کو) چلے جاتے۔

(ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۹۱)

حضرت مکحولؒ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے مغرب کے بعد کلام کرنے سے پہلے دو رکعتیں (سنت) پڑھیں، اور ایک روایت میں ہے کہ چار رکعتیں، تو اس کی نماز علیین میں اٹھائی جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۱۰۵۔ بحوالہ: مجموعۂ نفلی عبادات)

فائدہ: اس حدیث میں دو رکعتوں سے مراد سنت مؤکدہ ہیں اور جس روایت میں چار رکعت کا

ذکر ہے اس میں دو رکعت سنت اور دو رکعات نفل کو شامل کر کے چار فرمایا ہے۔

نماز عشاء کے سنن ونوافل

عشاء کے فرائض سے پہلے چار رکعت سنت غیر مؤکدہ ہیں اور عشاء کے فرائض کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں، اس کے بعد دو رکعت نفل پھر نماز وتر کے بعد دو رکعت نفل ہیں۔

اگر کسی کی رات کے اخیر حصے میں اُٹھ کر تہجد پڑھنے کی عادت ہو تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ نماز وتر تہجد کے بعد ادا کرے۔

فضائل سنن ونوافل عشاء:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے فرضوں سے پہلے چار رکعت (سنت) اور فرائض کے بعد چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔ (مراقی الفلاح صفحہ ۳۹۰)

فائدہ: فرائض کے بعد چار رکعات میں سنت دو مؤکدہ اور دو رکعت نفل ہیں۔

حدیث: سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جس آدمی نے عشاء کے فرضوں کے بعد چار رکعات پڑھیں، یعنی دو سنت اور دو نفل تو گویا اس نے لیلۃ القدر میں چار رکعات پڑھی ہیں۔ (المبسوط جلد ا)

نماز عشاء سے پہلے چار رکعات سنت غیر مؤکدہ معمول بہا ہیں۔ (نماز کی مکمل کتاب)

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔
(ترمذی جلد ا صفحہ ۱۰۸ بحوالہ مجموعہ نفلی عبادات)

نفلِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

وتر کے بعد دو نفل پڑھے جاتے ہیں، ان کو نفلِ عائشہؓ کہتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تعلیم دی تھی۔ ان کو بیٹھ کر پڑھنا مستحب ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

"جس کو رات کو اٹھنا گراں ہو اس سے کہو وتر کے بعد دو رکعت پڑھ لیا کرے۔ اگر رات کو اُٹھ کر نمازِ

تہجد میسر آ گئی تو فبہا، ورنہ یہ دو رکعتیں تہجد کی نماز کے قائم مقام ہو جائیں گی۔''

(مشکوٰۃ، نیز برکاتِ رمضان، تھانویؒ)

اس سے ثابت ہوا کہ ان کا پڑھنا بہر حال افضل ہے۔

ان نفلوں میں پہلی رکعت میں 'اِذَا زُلۡزِلَتِ' اور دوسری رکعت میں 'سورۃ الکافرون' پڑھنی مستحب ہے ورنہ جو چاہے پڑھ سکتا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہے کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ وتر کے بعد نفل بیٹھ کر پڑھے ہیں لہٰذا ان کو ہمیشہ بیٹھ کر ہی پڑھنا چاہئے، سو جاننا چاہئے کہ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن اس سے دلیل لانا کہ ہمیشہ بیٹھ کر پڑھنے چاہئیں غلط ہے۔ اس لئے اس امر پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ وتر کے بعد بیٹھ کر نفل پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوصات میں ہے۔ لہٰذا عام لوگوں کے لئے کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے نفل کھڑے ہو کر شروع کئے پھر بیٹھ گیا یا بیٹھ کر شروع کئے تھے پھر کھڑا ہو گیا، تو یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نفل پڑھ رہا تھا، نماز میں تھک گیا اور تھکان کی وجہ سے بیٹھ گیا یا دیوار سے سہارا لگا کر پڑھنے لگا تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

مسئلہ: جب کوئی بیٹھ کر نماز نفل پڑھے تو اس طرح بیٹھے جیسے تشہد میں بیٹھتے ہیں۔ قرأت کی حالت میں ناف پر ہاتھ باندھے جس طرح قیام میں باندھتے ہیں۔ (بحوالہ: 'نماز کی سب سے بڑی کتاب')

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

صوفیائے کرام کی ایک مدت کی محبت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ وقت تلوار کی طرح ہے۔ اس کو کاٹیں (یعنی کوئی اچھا عمل اس میں کریں) ورنہ یہ آپ کو کاٹ لے گا۔ اپنے نفس کی حفاظت کریں۔ اگر آپ نے اسے اچھے کام میں مشغول نہیں رکھا تو یہ آپ کو برے کام میں مشغول کر دے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

تبصرۂ کتب و رسائل

۱۔

کتاب۔۔۔ تجلیاتِ غورغُشتوی

تالیف۔۔۔ مفتی محمد قاسم بجلی گھر صاحب

تبصرہ۔۔۔ مولانا ڈاکٹر عبیدُ اللہ صاحب (خیبر میڈیکل کالج، پشاور)

حضرت مولانا محمد امیر بجلی گھر صاحب رحمہُ اللہ کے ساتھ سیدی و مرشدی حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ العالی کا خاص تعلق تھا۔ مولانا صاحبؒ کی وفات سے قریب کے زمانے میں احقر کا حضرت مرشدی مدظلہ کے ساتھ مولانا صاحب کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوا۔ حضرت مرشدی کے حاجبزادہ ڈاکٹر وقار احمد صاحب اور حضرت مرشدی کے مرید پروفیسر انجینئر ارشاد صاحب بھی اس موقع پر موجود تھے۔ اس موقع پر مولانا بجلی گھر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گھر پر حضرت مرشدی کو کافی دیر بٹھائے رکھا اور عجیب و غریب واقعات سنائے۔ مولانا بجلی گھر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اکابر علمائے کرام و بزرگانِ دین کو رحمان بابا رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال مرحوم کا کلام سنانے کی برکت سے بزرگوں کا خاص فیض پہنچا ہے۔ اسی دن مولانا محمد قاسم صاحب سے بھی ملاقات ہوئی اور ان کو حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتوی رحمہُ اللہ کی سوانح عمری اور ان کے ملفوظات جمع کرنے کے دوران جو منامات و مبشرات پیش آئے، ان میں سے کچھ انھوں نے حضرت مرشدی سے بیان کیئے اور پھر حضرت مرشدی سے فرمایا کہ منامات و مبشرات تو بہت ہیں، کچھ پھر آپ کو علیحدگی میں بتاؤں گا۔

حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین علی واں بچھروی

کے خلیفۂ اعظم اور پاکستان، افغانستان اور ملحقہ علاقوں کے لئے شاہ ولی اللہ ثانی تھے۔ زُہد، تقویٰ اوراخلاص کے پہاڑ تھے۔ انکارِ حدیث، جناب رسول اللہ ﷺ کی بعداز وفات زندگی کا انکار کرنے والے مماتیوں اور قادیانیت کے خلاف برہنہ شمشیر تھے۔

اللہ والوں کی سوانح عمریاں بڑی کشش رکھتی ہیں۔ جب حضرت مولانا اشرف صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح ''مردِ درویش'' کے نام سے شائع ہوئی تو کئی ایک اہلِ علم نے کشش اور تاثیر کی وجہ سے ایک ہی مجلس میں ختم کی۔ کچھ ایسا ہی حال ''تجلیاتِ غور غشتوی''، سوانح عمری 'حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتوی'، تالیف مفتی محمد قاسم بجلی گھر صاحب ابنِ مولانا محمد امیر المعروف مولانا بجلی گھر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ آج کل کمپیوٹر والوں سے طباعت میں ضرور کچھ نہ کچھ غلطیاں ہوجاتی ہیں۔ ان کا آئندہ اشاعت میں خیال رکھا جائے تو فائدہ اور بھی زیادہ ہوجائے گا۔ اس کے علاوہ کتاب کا طباعتی معیار بہت اعلیٰ ہے۔ قیمت اگرچہ طباعتی معیار سے زیادہ نہیں لیکن جس طبقے سے اس کتاب کے خریدنے کی توقع کی جاری ہے یعنی علما اور دینی طلبا، ان کے پاس وسائل اکثر کم ہوتے ہیں۔ اللہ والوں کے حالات وواقعات کی راہِ ہدایت پر چلنے والوں اور راہِ ہدایت کی تبلیغ کرنے والوں کے لئے کیا اہمیت ہے، اس کا ذکر سورۂ ھود کے آخر میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ رسولِ کریم ﷺ سے فرماتے ہیں:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآئَكَ
فِىْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (سورۃ ھود: ۱۲۰)

ترجمہ: اور سب چیز بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے تسلی دیں تیرے دل کو اور آئی تیرے پاس اس سورت میں تحقیقی بات اور نصیحت اور یادداشت ایمان والوں کو۔ (ترجمہ از شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کے واقعات اللہ کے شکر ہیں جن سے مریدین کے

دلوں کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ بہرحال مفتی محمد قاسم بجلی گھر صاحب جو کہ خود کئی بزرگوں کے ماذون ہیں، صاحبِ دل آدمی ہیں۔ ان کے اس کتاب کو لکھنے میں بارہ سال لگے ہیں۔ یہ کتاب ایک گرانقدر علمی وسوانحی جواہر پارہ ہے۔ چاہیئے کہ کوئی گھر یا لائبریری اس جواہر پارے سے خالی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو دونوں جہانوں میں اپنی شان کے مناسب اجر سے نوازے اور ان کو اور ہم سب، بلکہ پوری امت کو حضرت غورغشتوی کے علوم و فیوض سے فیضیاب کرے۔ آمین ثم آمین۔

۲۔

رسالہ۔۔۔ سہ ماہی المظاھر

ناشر۔۔۔ جامعہ مظاہر العلوم کوہاٹ

تبصرہ۔۔۔ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم

جامعہ مظاہر العلوم، بلی ٹنگ، پنڈی روڈ، کوہاٹ کا سہ ماہی مجلّہ ''المظاہر'' ملا۔ یہ رسالہ جناب مفتی عنایت اللہ صاحب مدظلہٗ کی سرپرستی میں نکل رہا ہے۔ مولانا محمد طفیل صاحب مدیر ہیں اور مولانا محمد فیصل صاحب منتظم ہیں۔ انتہائی خوشی ہوئی کہ ہمارے صوبے کے ایک دور دراز علاقے کے مدرسے سے ایسا رسالہ نکل رہا ہے جو بلا مبالغہ ملک کے صفِ اول کے رسالوں میں شمار ہونے کا پورا حقدار ہے۔ مضامین گہرے علمی ہیں، لکھنے والوں کی تحریریں بہت پختہ ہیں، سب سے بڑھ کر یہ بات کہ ٹھیٹھ پشتو کے علاقے میں اس طرح کی معیاری اردو لکھی ہوئی ہے کہ اہلِ زبان کے لئے اور اردو کے ادیبوں کے لئے قابلِ رشک ہے۔ بندہ کی دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان سب حضرات کی کوششوں کو مقبول فرمائے اور آخرت کا سرمایہ بنائے۔

ایک خط

(محمد طاہر شاہ لوند خوڑ)

سلام کے بعد غرض یہ ہے کہ چند دنوں سے میرا یہ ارادہ ہے کہ اگر آپ حضرات کی اجازت ہو تو میں علمائے کرام، پیش اماموں، مدرسین وطلباء کے نام مندرجہ ذیل خط لکھ کر ارسال کروں۔ خط کی عبارت یہ ہے۔

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

مکرمی جناب ----------------

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ کچھ عرصہ سے مختلف مما لک میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ خاکے شائع ہور ہیں اور مسلمان، علما کی قیادت میں مظاہرے بھی کر رہے ہیں۔ اِدھر مظاہرے ہو رہے ہیں اور اُدھر گستاخی ہو رہی ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مظاہرے نام کے ہو رہے ہیں۔ اس کے لئے منظم کوشش کرنی چاہیئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ علمائے دیوبند نے انگریزوں سے ہندوستان کو آزاد کرایا اور قسم قسم کی تکالیف برداشت کیں اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ بھی دیا تھا کہ انگریز کی مصنوعات سے بائیکاٹ کریں۔ لوگوں نے بائیکاٹ کیا۔ بالآخر انگریز مجبور ہو کر بھاگا۔ آج ہمارے علما اور طلبا اس بائیکاٹ کو تیار نہیں ہیں۔ ہم کس سے گلہ کریں۔ میں آپ کے سامنے چند واقعات پیش کرتا ہوں۔ جب سے ڈنمارک والوں نے گستاخانہ خاکے شائع کئے ہیں تو ہمارے شیخ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب نے بائیکاٹ کا اعلان کیا اور یہ ایسا بائیکاٹ تھا جو آج تک ہے اور قیامت تک رہے گا اور شیخ صاحب کے مریدوں نے اس پر ایسا عمل کیا کہ مرنے کو تیار ہیں لیکن پیپسی اور ٹیلی نار سم استعمال کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

میں ایک مفتی صاحب سے ملاقات کے لئے گیا تو مفتی صاحب نے ڈیو بوتل منگائی۔ میں نے کہا کہ مفتی صاحب ہمارا اس سے بائیکاٹ ہے، ہم اسے نہ پئیں گے۔ مفتی صاحب نے کہا کہ اس

میں کیا چیز ہے؟ اس میں پانی تو پاک ہے، کیمیکل تو پاک ہیں۔ میں نے بتایا کہ یہ یہودی مصنوعات ہیں، اس کے منافع سے گستاخانہ خاکے شائع ہوتے ہیں۔ میں نے بتایا کہ اس کی جگہ مجھے دودھ والی چائے پلایئے۔ بوتل کی قیمت ایک سو بیس روپے تھی اور چائے پر چالیس روپے خرچہ آتا ہے۔ اس علاقے میں ایک فارغ التحصیل عالم تھا، یہ ٹیلی نار کی خوبیاں لوگوں کو بیان کرتا تھا۔ میں نے اس کو بتایا کہ اس کمپنی والوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ اگر اس میں تمام کی تمام خوبیاں بھی ہیں تو ہم آخرت میں کیا کریں گے؟ رسول اللہ ﷺ کے سامنے شرمندہ نہ ہوں گے۔

بس میں مختصر بات بتانا چاہتا ہوں اور علما و طلبا کو مخاطب کرتا ہوں۔ اے علما وطلبا! علومِ نبوت کے مہمانو، ممبر اور مصلے کے وارثو، کیا آپ کو یہ پتہ نہیں ہے کہ آپ نمازِ عشاء کے وتر میں 'ونخلع ونترک من یفجرک' پڑھتے ہیں! (یعنی جو تیری نافرمانی کرے اس کے ساتھ ہم بائیکاٹ کرتے ہیں) آپ نے یہ بھی پڑھا ہے کہ برائی کو ہاتھ سے روکو، اگر طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرو، اگر طاقت نہ تو دل سے مخالفت کرو اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر ایمان کا کیا حال ہے؟ اور آپ نے یہ حدیث بھی پڑھی ہو گی کہ (مفہوم) آپ میں سے کوئی اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ میرے ساتھ اپنے والدین، بہن، بھائی، بیوی، بچوں بلکہ تمام انسانوں سے زیادہ محبت نہ کرے۔ قبر میں، حشر میں، حوضِ کوثر میں، حساب کتاب میں صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی محبت کام آئے گی۔

یہودیوں کی چند مصنوعات ٹیلی نار سم، ڈیو، سیون اپ، سلائس، کوکا کولہ، شیزان، لیز چپس، سیف گارڈ صابن، لائف بوائے صابن و شیمپو، لکس صابن، کلیئر شیمپو، سرف ایکسل، کولگیٹ ٹوتھ پیسٹ، نیسلے اور یونی لیور کی اشیاء، ذائقہ گھی اور کوکنگ آئل، یونیورسل سٹیبلائزر، پرل بناسپتی گھی، شاہ تاج شوگر مل وغیرہ، وغیرہ۔ ان تمام مصنوعات سے بائیکاٹ کرنا لازمی ہے اور اگر آپ مظاہرے میں ان ملکوں کے خلاف تقریریں کرتے ہیں اور مردہ باد کے نعرے لگاتے ہیں اور بعد میں

ان چیزوں کا بائیکاٹ نہیں کرتے، آپ خود بتائیں کہ یہ کیسی مخالفت ہے؟ سڑکوں پر مخالفت اور اندر ہی اندر چندہ ان یہودیوں کے لئے جمع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ ان چیزوں سے بائیکاٹ کر کے اپنے نبی ﷺ سے اپنی محبت کا اظہار کریں۔

ایمان کے دو بڑے اجزاء ہیں: ۱۔ محبت ۲۔ غیرت۔ اپنے رسول ﷺ سے محبت کر کے ان چیزوں سے بائیکاٹ کریں اور اپنے رسول ﷺ کی ناموس پر غیرت کر کے ان چیزوں سے بائیکاٹ کریں۔ آپ کو صحابہ کرامؓ کی سیرت معلوم ہے۔ انہوں نے نہ اپنی جان کی پرواہ کی نہ مال کی، بیوی بچوں کی نہ ماں باپ کی، صرف اور صرف نبی کریم ﷺ پر اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔ صحابہ کرامؓ تو بڑے درجے کے لوگ تھے۔ اویس قرنیؒ نے غزوہ اُحد میں آپ ﷺ کے دانت شہید ہونے پر آپ ﷺ کی محبت میں اپنے دانت توڑ دیئے۔ اِس زمانے کے لوگوں نے بھی محمد ﷺ پر اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔ غازی علم الدین شہید نے کیا کیا؟ عامر چیمہ شہید نے کیا کیا؟ ممتاز قادری نے کیا کیا؟ اور آپ صرف رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ان چیزوں سے بائیکاٹ نہیں کرتے۔ کتنے افسوس کی بات ہے۔ بحیثیت مہتمم آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اپنے مدرسے کے تمام مدرسین اور طلباء کرام سے بائیکاٹ کرائیں۔ جو پیش امام اپنے مقتدیوں کو بتائیں، ضروری ہے کہ پہلے خود ان چیزوں سے بائیکاٹ کریں۔

دوسرا اہم مسئلہ: اکثر اوقات درسِ قرآن ہوتا ہے، درسِ حدیث ہوتا ہے اور ادھر گناہ بھی ہوتا ہے۔ گناہ کیا؟ طلباء کرام ویڈیو بناتے ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ جس جگہ تصویر ہو اس جگہ فرشتے نہیں آتے ہیں۔ یہ حدیث ہے اور دوسری حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن بدترین عذاب تصویر بنانے والے پر ہوگا۔ خدا کے لئے ان ویڈیو سے اپنے مدارس و مساجد کو پاک کریں۔ لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ علم وہ ہے جس پر عمل ہو۔ علم، عمل کے بغیر صرف معلومات ہیں۔ طلبا کو سنت کے پابند بنائیں اور سنتِ رسول ﷺ کو مضبوطی سے پکڑیں۔

میرے کم علم میں یہ باتیں تھیں۔ اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ والسلام۔

کرکٹ ایک نشہ...... ایک طوفان

(مولانا محمد طفیل صاحب، مدرس مظاہر العلوم و مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)

کرکٹ کا نشہ

کرکٹ کا طوفان برپا ہے، یہ عجیب نشہ ہے جس نے اُمت کے ایک بڑے طبقے کو مدہوش کر رکھا ہے۔ کیا مرد، کیا عورت، کیا بچے، کیا بوڑھے، کیا دنیادار، کیا دیندار، کرکٹ کا نشہ ہر دماغ پہ طاری نظر آتا ہے۔ یہ کھیل کہاں سے شروع ہوا؟ کن کے ہاں شروع ہوا؟ اس کے مضر اثرات کیا ہیں اور کون لوگ اسے اس وقت بطور ہتھیار استعمال کر رہے ہیں؟ ان چبھتے ہوئے سوالات کو لے کر تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں۔ شاید کچھ موتی ایسے ہاتھ لگ جائیں جن کی چمک مغلوب نگاہوں کو غلبے کی روشنی مہیا کر دے......

کرکٹ تاریخ کے آئینے میں

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کرکٹ کی شروعات کی طرف اشارہ کرتا ہے:

Cricket is believed to have begun possibly as early as the 13th century as a game...... it is probable that about this time (1709) a code of laws (rules) existed for the conduct of the game, although the earliest known version of such rules is dated 1744.

(Encyclopædia Britannica Ultimate Reference Suite 2013)

یعنی کرکٹ تیرہویں صدی عیسوی میں سب سے پہلے انگلینڈ میں کھیلا گیا اور اس کے باقاعدہ اصول سب سے پہلے 1744ء کو لکھے گئے۔

کرکٹ چار سو سال سے زائد عرصہ محض ایک بے قاعدہ کھیل رہا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اسے اتنی ترقی ملتی گئی کہ آج یہ بین الاقوامی کھیل سمجھا جاتا ہے اور دنیا میں اس کے کھیلنے اور دیکھنے والے دیگر تمام کھیلوں کی نسبت سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔

کرکٹ کا پس منظر

یورپ کی آب وہوا سخت سرد ہے۔سال کا اکثر حصہ یورپی باشندے گھروں کے اندر آگ تاپتے، ٹی وی دیکھتے اور شطرنج کھیلتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔ایک زمانہ تھا جب گھروں میں نفسانی تفریح کے یہ ذرائع موجودنہیں تھے، لہٰذا کڑاکے کی سردی اہلِ یورپ کو گھروں میں قیدی کی طرح محبوس کر دیتی اور وہ مختصر سی گرمیوں کا انتظار کرتے کرتے بے کاری کی حالت میں اکتا جاتے، جب سردی کا طویل زمانہ ختم ہوتا اور اہل یورپ تیز اور سکون بخش دھوپ کا نظارہ کرتے تو اس سے محظوظ ہونے کیلئے بچے، بوڑھے، جوان اور عورتیں مختصر لباس پہن کر گھروں سے نکل آتے اور سڑکوں، میدانوں اور پارکوں میں کھیل کود شروع کر دیتے، اہلِ یورپ اس مختصر دوارنئے سے لطف اٹھانے کیلئے ایسے کھیلوں کی تلاش میں رہتے جو ذہنی فرحت اور جسمانی راحت کا زیادہ سے زیادہ باعث ہوں اور اس میں اجتماعی رنگ بھی پایا جائے، یعنی کھیلنے اور دیکھنے والے یکساں مزہ اٹھاسکیں۔اسی جذبے کے تحت وہ طرح طرح کے کھیل شروع کرتے اورانہیں اپنی اپنی پسند اور سوچ کے مطابق آزماتے۔

پہلے پہل کپڑے سے ایک گیند نما گولا بنایا جاتا، ایک آدمی کو ڈنڈا تھما کر دوسری طرف کھڑا کیا جاتا، پھر گولا اس کی طرف زور سے پھینک دیا جاتا اور ڈنڈا بردار اس گولے کو زمین پر گرنے سے پہلے پہلے مارنے کی کوشش کرتا۔اس وقت نہ تو پچ اور وکٹ کا رواج تھا اور نہ رنز وغیرہ کا... ہاں جب گولے کو ڈنڈا رسید ہوتا اور وہ ہوا میں اُچھلتا تو اِدھر اُدھر کھڑی مخلوق اسے پکڑنے کیلئے دوڑ لگا دیتی... یوں دھوپ کی تمازت سے محظوظ ہونے کیلئے شروع کیا جانے والا یہ کھیل رفتہ رفتہ کرکٹ کی صورت اختیار کر گیا، یہاں تک کہ 1744ء میں اس کے باقاعدہ قوانین تیار ہو گئے۔

یہ زہریلا کھیل دیگر مغربی خرافات کی طرح انہی کے در سے نکلا ہے اور آج وہ اسے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر کے ساری دنیا کو نچوڑ رہے ہیں۔

کرکٹ کے بارے میں بعض اقوام کی رائے

بہرحال یہ کھیل انگلینڈ سے آگے بڑھا اور جلد ہی پورے یورپ میں معروف ہو گیا۔اس کے اس قدر پھیلنے کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ پورا یورپ اس کا طبعی طور پر محتاج تھا۔جنگ عظیم دوم سے قبل جرمنی

کی ٹیم پوری دنیا میں عروج پر سمجھی جاتی تھی۔ایک دفعہ جرمنی اور فرانس کے درمیان ٹیسٹ میچ تھا۔میچ دیکھنے کیلئے ہٹلر کو مہمان خصوصی کے طور پر بلایا گیا، ہٹلر نے دن کے اختتام پر ٹیم منیجر سے پوچھا کہ کس کی جیت ہوئی؟ ٹیم منیجر نے کہا: ’’ہار جیت کا فیصلہ چار دن بعد ہوگا۔‘‘ ہٹلر نے یہ سنا تو اس کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا، اس نے دھاڑ کر ٹیم منیجر سے کہا: ’’یہ کیا واہیات کھیل ہے جسے دیکھنے کیلئے اتنی مخلوق سارا دن بے کار بیٹھی رہے اور آخر میں ہار جیت کا فیصلہ تک نہ ہو۔میری مملکت میں ایسی خرافات کی قطعاً گنجائش نہیں، اسے فی الفور ختم کر دو۔‘‘ یوں کرکٹ پر جرمنی کے دروازے ہمیشہ کیلئے بند کر دئے گئے اور جرمنی سے کرکٹ کا جنازہ نکل گیا اور آج تک وہ اس شر سے محفوظ ہے۔

اس کے بعد امریکی صدر ’روز ویلٹ‘ نے بھی اسے ضیاع وقت کا سبب قرار دے کر اسے پابندی کا طوق پہنا دیا۔’روز ویلٹ‘ کا کہنا تھا کہ اگر امریکیوں نے ترقی کرنی ہے تو انہیں کرکٹ جیسے وقت لیوا کھیلوں سے احتراز کرنا ہوگا۔

آج بھی دنیا کی ترقی یافتہ شمار ہونے والی وہ قومیں جن کا مشن اقوامِ عالم پر اپنی دھاک اور حکومت کا سکہ بٹھانا ہے، اس زہریلے کھیل سے محفوظ ہیں۔انہوں نے اپنی عوام کو ایسے کھیلوں میں لگایا ہوا ہے جو جرأت و بسالت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر کچھ کر گزرنے کا سبق دیتے ہیں۔چین، جاپان اور اسرائیل کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔(جن کی کرکٹ ٹیمیں نہیں ہیں)

ہندوستان میں کرکٹ کی آمد

کرکٹ اور دیگر یورپی کھیل ہندوستان میں انگریزوں کی وساطت سے داخل ہوئے۔کرکٹ چونکہ ایک مہنگا کھیل ہے، اس لئے اس کا دائرہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں اور بڑے بڑے رؤسا تک محدود رہا اور بیٹ، گیند، وردی اور دیگر لوازمات نے اسے عوام کی دسترس سے باہر رکھا۔ہندوستان کی تقسیم کے بعد تک کرکٹ یہاں کوئی خاطر خواہ جگہ نہ بنا سکی، کیونکہ ہندوستان کی آب و ہوا گرم ہے اور کرکٹ ایک ایسا کھیل ہے جسے شدید گرمی میں بالکل نہیں کھیلا جا سکتا، لیکن جب انگریزوں نے ہندوستان میں بڑے بڑے اسٹیڈیم تعمیر کروائے اور بین الاقوامی سطح پر کرکٹ کے ٹورنامنٹس ہونے لگے تو پاکستان اور بھارت میں بھی ملکی سطح پر کرکٹ ٹیمیں بن گئیں۔اب سخت سردیوں اور بہار و خزاں کے موسموں

میں یہ علاقے کھیل کیلئے استعمال ہوتے تھے اور شدید گرمیوں میں بیرون ملک کھیل کا انعقاد ہوتا تھا۔غرض کرکٹ کے بین الاقوامی سیٹ اپ نے اس کے راستے میں کئی ساری مشکلات کو یکسر دور کر دیا۔

کرکٹ کے نقصانات

کرکٹ ایک ایسا کھیل ہے جسے ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اپنے مقاصد کیلئے خوب استعمال کیا۔ملٹی نیشنل کمپنیاں دنیا کے نامور کھلاڑیوں سے تصاویر حاصل کرتی ہیں اور اپنی مصنوعات کے اشتہارات میں شامل کر کے کرکٹ کے دیوانوں سے رقم بٹورتی ہیں۔ اس طرح ٹی وی اور الیکٹرانک میڈیا کے دیگر ذرائع پر اپنی مصنوعات کے اشتہار دیتے وقت کھلاڑیوں سے ان مصنوعات کے بارے میں چند تعریفی جملے حاصل کر لئے جاتے ہیں جو ان مصنوعات کی تشہیر کا بہت بڑا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

ملٹی نیشنل کمپنیاں کھلاڑیوں کو کھیلنے کا سامان بھی مہیا کرتی ہیں اور ان کے بلّوں، وردیوں اور ٹوپیوں پر اپنے مونوگرام چسپاں کر دیتے ہیں۔اس کا مقصد بھی بڑے پیمانے پر مصنوعات کی تشہیر اور رقم بٹورنا ہوتا ہے کیونکہ کرکٹ کو براہ راست اور بالواسطہ دیکھنے والے لاتعداد ہوتے ہیں، جب وہ انہی کمپنیوں کو چھایا ہوا دیکھتے ہیں اور اپنے آئیڈیل حضرات کے ملبوسات پر ان مصنوعات اور کمپنیوں کے مونوگرام چسپاں دیکھتے ہیں تو وہ بھی ان مصنوعات کے خریدار بنتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس جال میں فخریہ طور پر پھنساتے ہیں۔یاد رہے کہ کرکٹ پوری دنیا میں ٹی وی چینلز پر دکھایا جاتا ہے، خصوصاً ورلڈ کپ اور دیگر اہم ٹورنامنٹس تو بطورِ خاص اہتمام سے دکھائے جاتے ہیں۔

کرکٹ کا دوسرا بڑا نقصان جوا اور سٹہ بازی ہے۔ پہلے پہل لوگ میچوں پر چھوٹی موٹی شرطیں لگایا کرتے تھے۔جب ان شرطوں کا رواج اونچے طبقوں تک پہنچا تو وہ لوگ لاکھوں اور کروڑوں کی شرطیں لگانے لگے۔رفتہ رفتہ انہوں نے کھلاڑیوں سے رابطے شروع کر دئے اور بعید نہیں کہ یہ رابطے ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے ہی کسی مخصوص معاوضے پر ہوتے ہوں۔ یہ لوگ کھلاڑیوں سے مخصوص رقم طے کر کے میچ فکس کر دیتے ہیں اور ٹیم کی جیت ہار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔میچ فکسنگ کے الزامات اکثر ٹورنامنٹس میں لگتے ہیں۔کئی معروف کھلاڑی ان الزامات کی زد میں آئے ہیں اور ان پر باقاعدہ کیسز ثابت بھی ہوئے ہیں لیکن کرکٹ تو جوئے اور قمار کا وہ منافع بخش کاروبار بن چکا ہے کہ اس وقت بھی اس کے اندر یہ

گھناؤنے افعال جاری ہیں اور کتنے ہی گھر ہیں جوان جوئے کی شرطوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔
لوگ اس میں اس درجہ اندھے اور دیوانے ہو جاتے ہیں کہ اپنے کاروبار، گاڑیاں، بینک بیلنس، دوکانیں، گھر، حتیٰ کہ گھر کا ساز و سامان تک داؤ پر لگا لیتے ہیں۔ یوں یہ کھیل اب کھیل نہیں رہا بلکہ تباہی و بربادی کا اندھیرا کنواں بن چکا ہے جس میں گرنے کے بعد سلامت نکلنا محال نظر آتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کھلاڑیوں اور میچوں کو فکس کرنے والا جوابازوں کا یہ گروہ سب سے پہلے بمبئی میں اٹھا تھا۔ ان سٹہ بازوں کو ''بکی'' بھی کہا جاتا ہے اور آج کل تو پوری دنیا میں یہ کاروبار عروج پر ہے۔ ورلڈ کپ کے دوران ہر میچ پر لاکھوں، کروڑوں کا جوا کھیلا جاتا ہے۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق ورلڈ کپ 2007ء میں کراچی میں پاکستان اور آئرلینڈ کے میچ پر ساٹھ کروڑ کا جوا کھیلا گیا اور یہی حال ہر میچ پر جوا کھیلنے کا ہے۔ اندازہ لگائیں یہ تو ایک شہر کا تذکرہ ہے۔ اس وقت پوری دنیا کی کیا حالت ہوگی۔ اور کتنے لوگ کروڑوں اور اربوں روپے اس آگ میں پھونک رہے ہوں گے۔ کرکٹ کے ان نقصانات کا گراف تو اب یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ اس پر پوری دنیا میں پابندی لگنا چاہئے لیکن حقیقت یہی ہے کہ اس کھیل کے پیچھے صیہونیت کا ہاتھ ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس کھیل کے ذریعے زیادہ سے زیادہ اقوامِ عالم اور خصوصاً مسلمانوں کے اندر اپنے مقاصد کی تکمیل کریں۔ گویا کرکٹ ان کے مذموم مقاصد کی تکمیل کا ایک بہت بڑا ذریعہ اور ایک انتہائی اہم ہتھیار ہے۔ لہٰذا باوجود عالمی نقصانات کے، اسے بین الاقوامی سطح پر ''بین'' (Ban) کرنے کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے! مزید یہ کہ ''بکیوں'' کے یہ گروہ مادہ پرست سرمایہ داروں کی سرپرستی اور آڑ میں سب کچھ انجام دیتے ہیں جن کے احتساب کے لئے کوئی فارغ نہیں۔

کرکٹ نے دیکھنے والوں پر بھی گہرا منفی اثر مرتب کیا ہے۔ چھوٹے بچے کرکٹ دیکھنے کے شوق میں سارا سارا دن ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کی یہ روش انہیں بے کار بنانے اور تعلیمی و اصلاحی ماحول سے کاٹنے کیلئے کافی ہوتی ہے۔ ایک طرف ان کی صلاحیتیں ٹی وی کے سامنے بیٹھ بیٹھ کر خاک ہو رہی ہوتی ہیں تو دوسری طرف میچ کے دوران ٹی وی پر دکھائے جانے والے مخربِ اخلاق مناظر ان کی ذہنی و اخلاقی سطح کو تباہ و برباد کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسے بچے بڑے ہو کر جہاں تعلیمی اعتبار سے کسی کام کے نہیں رہتے وہاں اخلاقی گراوٹ کا بھی شکار ہو جاتے ہیں اور فحاشی و عریانی ان کی زندگی کا جز بن جاتی ہے۔

بعض لوگ باقاعدہ ٹکٹ خرید کر اسٹیڈیم پہنچ جاتے ہیں اور وہاں پورا پورا دن ضائع کر دیتے ہیں۔ان لوگوں میں حکومتی اداروں کے اہلکار، ڈاکٹرز، اسکول ٹیچرز، غرض ہر طبقے کی مخلوق پائی جاتی ہے۔ کرکٹ کی بدولت جہاں ان اداروں کا حرج ہوتا ہے وہاں سکولوں، ہسپتالوں اور دیگر اداروں میں انکی ہوئی بے چاری عوام بھی مسائل و مشکلات کا شکار ہوتی ہے۔ بڑے بڑے سنجیدہ لوگ بھی اسی حصار میں جکڑے نظر آتے ہیں۔

الغرض بعض اوقات کرکٹ کے دوران پورا ملک مفلوج دکھائی دے رہا ہوتا ہے۔کاش! اہلِ فکر و نظر تہذیبِ انگریز کا دیا ہوا یہ توشہ پھینک دیں تو شاید ملک و قوم اور خصوصاً ہماری نوجوان نسل کی ڈوبتی ناؤ ساحل بکنار ہو سکے اور وطنِ عزیز کا جو بے پایاں سرمایہ اس بے ثمر کھیل پر صرف ہو رہا ہے وہ ملک کے بھوکے اور غریب و نادار افراد کے کام آ سکے۔

کرکٹ شرعی نقطہ نظر سے

استادِ محترم، فقیہہ العصر، مفتی محمود اشرف عثمانی مدظلہم اپنی کتاب ''کھیل کود اور تفریح کی شرعی حیثیت'' میں اس قسم کے کھیلوں کا شرعی جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

۱۔ ان کھیلوں کو بذاتِ خود مقصود سمجھا جانے لگا ہے۔کھیل اگر کھیل کے بجائے مقصد بن جائے تو وہ شرعاً اور عقلاً معیوب اور ناپسندیدہ ہے۔

۲۔ ان کھیلوں میں کھلاڑیوں اور ان کھیلوں سے دلچسپی رکھنے والوں کا انہماک بہت زیادہ ہونے لگا ہے حتیٰ کہ ضروری کاموں پر اس کو ترجیح دی جاتی ہے جس سے بسا اوقات بندوں کے حقوق پامال ہوتے ہیں۔

۳۔ ان کھیلوں کے کھیلنے میں بالعموم فرض نمازوں کے اوقات، جمعہ کے مبارک دن اور رمضان المبارک کے فرض روزوں کے ایام کا خیال نہیں رکھا جاتا جبکہ یہ ایک مسلمان کیلئے فرضِ عین ہیں۔

۴۔ یہ کھیل بالعموم اس قدر مہنگے ہیں کہ امراء اور ان کے بچے ہی صحیح طور پر ان سے استفادہ کر سکتے ہیں، غریب بچے حسرت سے دیکھتے ہیں اور متوسطُ الحال بچے بمشکل ان کھیلوں کے اخراجات برداشت کرتے ہیں، جس سے اسراف اور تبذیر تک نوبت پہنچتی ہے۔

۵۔ بالعموم ان کھیلوں میں بہت وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ اب ان میں قوم کے وقت کا جتنا ضیاع

ہونے لگا ہے وہ قوم کے صاحبِ فکر حضرات کے لئے قابلِ توجہ ہے۔

٦۔ ان کھیلوں میں حصہ لینے والے کھلاڑیوں کو جس طرح قومی اور ملی ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور نئی نسل کے بچے اب مجاہدین، علما، سائنسدان اور قومی وملی خدمات انجام دینے والوں کو اپنا آئیڈیل بنانے کے بجائے جس طرح ان کھلاڑیوں کو اپنا آئیڈل سمجھتے ہیں وہ بھی قوم کے سنجیدہ اور سمجھدار حضرات کیلئے بہت زیادہ قابل تنبیہہ اور تشویشناک ہے۔

٧۔ اکثر کھیلوں میں ''ستر'' کا اہتمام نہیں کیا جاتا، یعنی جسم کے ان حصوں کو ڈھانپنے پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی جن کا ڈھانپنا شرعاً ضروری ہے۔ مثلاً مرد کیلئے ایسے نیکر پہننا جائز نہیں جس میں ناف سے لیکر گھٹنے تک کا حصہ کھلتا ہو، جبکہ عورت کا تو پورا جسم ''ستر'' ہے۔

٨۔ اکثر کھیلوں میں مردوزن کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے اور چونکہ یہ مردوزن محض تفریح اور کھیل برائے کھیل کی نیت سے جمع ہوتے ہیں، اس لئے ہوٹنگ، بھنگڑا، ڈانس، موسیقی اور دیگر نازیبا اور ناشائستہ امور کھلے عام ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب ایسے اجتماعات میں کسی شریف آدمی کا جانا اپنی بے عزتی کو دعوت دینا ہے۔

٩۔ ان کھیلوں میں (جو محض تفریح طبع کیلئے ہونے چاہئیں) اب ایسی محاذ آرائی اور ذہنی تناؤ ہونے لگا ہے کہ جس سے ان کھیلوں کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔ اب کھیلوں کے میدان کو محاذِ جنگ سمجھا جاتا ہے، اس کی ہار جیت کو قومی شکست اور قومی فتح سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کے میچوں کیلئے اس طرح دعائیں مانگی اور نذریں مانی جاتی ہیں جیسے بیت المقدس کی آزادی یا جہادِ کشمیر کا معاملہ سر پر آن پڑا ہو۔ سربراہانِ مملکت اس سلسلہ میں تہنیتی اور تعزیتی پیغامات جاری کرتے ہیں۔ 'فیا للعجب'

١٠۔ اور اب تو یہ خبریں بھی عام ہونے لگی ہیں کہ فلاں میچ کا دیکھنا بلڈ پریشر اور دل کے مریضوں کیلئے نامناسب ہے اور یہ کہ فلاں میچ میں اتنے سامعین وناظرین دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔ اب ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے کہ وہ کھیل جن کا مقصد محض تفریح طبع ہونا چاہیئے تھا، وہ حدودِ شرعی کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے کہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ (فھل من مدکر!)

١١۔ ان کھیلوں میں بعض اوقات جو کھیلا جاتا ہے، شرطیں باندھی جاتی ہیں اور لاکھوں بلکہ کروڑوں

روپے کی رقوم ان میں ہاری جیتی جاتی ہیں۔ بڑے جوئے بازوں کے علاوہ چھوٹی سطح پر محلّہ اور گھروں میں ناظرین اور سامعین دیکھتے اور سنتے ہیں اور آپس میں شرطیں لگاتے ہیں اور بلاوجہ ناسمجھی میں قمار یعنی جوئے کے مرتکب ہو جاتے ہیں جو شرعاً گناہ کبیرہ ہے اور قرآنِ حکیم کی کئی آیات میں اس سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ (کھیل کود اور تفریح کی شرعی حدود، ص: ۴۵۴ تا ۴۵۶)

علمانے کھیل کود کے بارے میں تین شرائط ذکر کی ہیں۔

۱۔ وہ کھیل جس سے دینی یا دنیوی کوئی معتد بہ فائدہ مقصود ہو تو وہ جائز ہے، اگر دنیا اور دین کا کوئی قابلِ اعتبار فائدہ نہ ہو تو وہ کھیل ناجائز ہے۔

۲۔ جس کھیل سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ تو حاصل ہو لیکن اس میں کوئی خلافِ شرع چیز مل جائے تو وہ ناجائز ہوگا۔ مثلاً تیراندازی یا گھڑسواری میں مال کی شرط لگا دینا۔

۳۔ جس کھیل میں کفار کے ساتھ مشابہت ہو یعنی کفار کی نقالی ہو وہ بھی ناجائز ہے مثلاً کھیل کے لباس، طرزِ وضع وغیرہ میں اغیار کی پیروی کرنا۔

ان شرائط کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس وقت اکثر کھیل خصوصاً کرکٹ جواز کے دائرے سے کہیں دور نکل جاتا ہے کیونکہ کرکٹ میں اکثر وہ خرابیاں داخل ہو چکی ہیں، جو جواز سے مانع ہیں۔

عصرِ حاضر میں کھیلے جانے والے اکثر کھیل مغرب سے درآمدہ ہیں، لیکن کرکٹ کو تفصیلی طور پر اس لئے اٹھایا گیا ہے کہ یہ کھیل اس وقت اہلِ مغرب کیلئے ہتھیار کا کام دے رہا ہے اور وہ اس کے ذریعے ہمارے معاشرے میں مغربی تہذیب وتمدن کے زہریلے اثرات منتقل کر رہے ہیں۔

ضرورت ہے کہ اہل نظر وفکر مضمون میں ذکر کئے گئے منفی پہلوؤں کا سنجیدگی سے جائزہ لیں اور ان کے تدارک کیلئے راست قدم اٹھانے کی منصوبہ بندی کریں۔

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاءاللہ بروز اتوار ۲۲ مارچ ۲۰۱۵ء کڑی شیخان، نظام پور روڈ میں منعقد ہوگا۔ بیان مغرب کی نماز کے بعد ہوگا۔ ساتھی ظہر کی نماز کے بعد خانقاہ سے روانہ ہوں گے۔ برائے رابطہ 0332 193 8443

نعت۔۱

جناب پروفیسر ارشاد احمد شاکر صاحب، بفہ، اردو میں پی ایچ ڈی ہیں۔ محکمۂ تعلیم سے پروفیسر کا بیس یا اکیس گریڈ کا درجہ پا کر ریٹائر ہوئے۔ باشرع، ذاکر، شاغل آدمی ہیں۔ ان کا عشقِ رسول ﷺ ذیل کی نعت سے عیاں ہے۔

ہر کہ ومہ کو سر بکف دیکھوں — تیری امت کا یہ شرف دیکھوں

آپ ﷺ کا ذکر اور شبِ تاریک — نور ہی نور ہر طرف دیکھوں

پے بہ پے رحمتیں اترتی ہیں — یا فرشتوں کو صف بہ صف دیکھوں

وحدت آگاہ قوم ہو جائے — شرک توحید کا حدف دیکھوں

شب، شبِ قدر، صبح عید بنے — امن کے بجتے طبل و دف دیکھوں

بولوں خوشبو لکھوں دھنک شاکر — رشکِ گوھر صدف صدف دیکھوں

نعت۔۲

(شاعر۔نجمی)

جب حسن تھا ان کا جلوہ نما — انوار کا عالم کیا ہوگا

ہر کوئی فدا ہے بن دیکھے — دیدار کا عالم کیا ہوگا

جب زلف کا ذکر ہے قرآن میں — رخسار کا عالم کیا ہوگا

جس وقت تھے خدمت میں ان کی — بوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ

اس وقت رسولِ اکرمؐ کے — دربار کا عالم کیا ہوگا

اک سمت صدیقؓ اک سمت عمرؓ — اِس طرف عثمانؓ، علیؓ اُدھر

ان جگ مگ جگ مگ تاروں میں — ماہتاب کا عالم کیا ہوگا

چاہیں تو اشاروں سے اپنے — کایا ہی پلٹ دیں دنیا کی

یہ شان ہے ان کے صحابہؓ کی — سرکار کا عالم کیا ہوگا

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاءاللہ بروز اتوار ۲۲ مارچ ۲۰۱۵ء کرڑی شیخان، نظام پور روڈ میں منعقد ہوگا۔ بیان مغرب کی نماز کے بعد ہوگا۔ ساتھی ظہر کی نماز کے بعد خانقاہ سے روانہ ہوں گے۔ برائے رابطہ 0332 193 8443